تدبّر

9/93

زیرِ نگرانی

مولانا امین احسن اصلاحی

یکے از مطبوعات

ادارہ تدبّرِ قرآن و حدیث

لاہور - پاکستان

نئے مطبوعات

مولانا امین احسن اصلاحی کی درج ذیل تصانیف مطالعہ فرمایئے:

○ فلسفے کے بنیادی مسائل قرآن حکیم کی روشنی میں ۵۶/ روپے

موضوعات: خدا کی ذات و صفات۔ کائنات میں انسان کا مقام۔ خیر و شر۔ جبر و اختیار۔ آخرت اور جزا و سزا۔ نظام نبوت۔

○ مقالاتِ اصلاحی۔ جلد اول ۸۷/= روپے

موضوعات:

[illegible] جماعت اسلامی سے علیحدگی کی بنیادیں۔ معاشرہ کی اصلاح کا منہاج۔ مغربی تہذیب سے مرعوبیت کے اثرات۔

○ اسلامی قانون کی تدوین ۴۲/= روپے

○ مجموعہ تفاسیر فراہی (مصنفہ امام فراہیؒ) ۱۷۶/= روپے

○ تفہیمِ دین ۵۴/= روپے

موضوعات:

قرآنیات۔ تحقیق حدیث و سنت۔ فلسفۂ دین

اسلامی نظام اجتماعی۔ قومی و ملی معاملات۔

فاران فاؤنڈیشن

۱۲۲۔ فیروز پور روڈ۔ اچھرہ۔ لاہور ۵۴۶۰۰

فون۔ ۴۸۰۸۰۰

تدبّر

سلسلہ نمبر ۴۴ | ستمبر ۱۹۹۳ء | ربیع الاول ۱۴۱۴ھ

فہرست

تذکرہ و تبصرہ

ہماری سیاست کا بدنما چہرہ ———— خالد مسعود ۳

تدبر قرآن

تفسیر سورہ یوسف ———— خالد مسعود ۷

تدبر حدیث

حصول علم کے طریقے ———— امین احسن اصلاحی / سعید احمد ۱۷

قسب اور زمینوں کے متعلق بعض فیصلے ———— امین احسن اصلاحی / سعید احمد ۲۵

مقالات

مشرکین اور یہودِ مدینہ سے فیصلہ کن جنگ ———— خالد مسعود ۳۴

مجلسِ ترتیب

- خالد مسعود (مدیر)
- عبداللہ غلام احمد
- ماجد خاور
- محبوب سبحانی
- سعید احمد

ناشر ——— ادارہ تدبر قرآن و حدیث

رحمان سٹریٹ، مسلم کالونی، سمن آباد، لاہور

مطبع ——— المطبعۃ العربیہ لاہور

قیمت -/8 روپے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تذکرہ و تبصرہ

خالد مسعود

ہماری سیاست کا بدنما چہرہ

گزشتہ چند ماہ کے دوران ملکی سیاست میں جو ہیجان برپا رہا اس نے ہماری قوم کو جس کرب و اذیت میں مبتلا کیا اس کا تذکرہ اب تحصیل حاصل ہے۔ اس طویل اور روح فرسا کشمکش کے بعد ملک کی گرداب میں پھنسی ہوئی کشتی کو بالآخر ساحل میسر آ گیا اور وقتی طور پر عوام نے سکون کا سانس لیا۔ یہ سکون حاصل کرنے کے لئے ملک کو کیا قیمت ادا کرنی پڑی اس سے لوگوں کی اکثریت ناواقف ہے۔ حالانکہ یہ کھیل یونہی بلامقصد نہیں کھیلا جا رہا تھا بلکہ اس سے خاص نتائج حاصل کرنا مطلوب تھا جو اب درجہ درجہ سامنے آ رہے ہیں اور ان کے ادراک کے لئے کسی گہری سیاسی بصیرت کی ضرورت نہیں۔ مثلاً بیس برس کی خوابیدگی کے بعد صنعتی میدان میں جو حرکت پیدا ہونے لگی تھی اس کا امکان پھر سے ختم کر دیا گیا۔ ملک میں بیرونی اثرات سے پاک آزاد معیشت کو رواج دینے کے لئے جو برے بھلے اقدامات کئے جا رہے تھے ان کو یک قلم روک دیا گیا۔ ملکی ترقی کے لئے ناگزیر طویل المیعاد منصوبوں پر قینچی چلائی گئی اور وہ منصوبے خاص طور پر زد میں آئے جن کا مقصد وسط ایشیا کی مسلم ریاستوں کو گرم پانیوں تک رسائی فراہم کرنا اور نقل و حمل کی سہولتیں مہیا کرنا تھا۔ ملکی انتظام کو ایسے ہاتھوں میں دے دیا گیا جنہوں نے آتے ہی قومی پالیسیوں کی باگ غیر ملکی اداروں کے ہاتھوں میں تھما دی چنانچہ آج ہمارے اندرونی معاملات میں نہایت بدنما قسم کی غیر ملکی مداخلت جاری ہے اور محسوس ہوتا ہے جیسے ہم کسی بڑے ملک کی نوآبادی ہیں۔ آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا۔

مذکورہ نتائج کی روشنی میں یہ کہنا قرین صواب ہو گا کہ کسی غیر مرئی قوت نے پاکستان کو اس بات کی سزا دی کہ اس نے نوآزاد وسط ایشیائی مسلم ریاستوں، بشمول افغانستان، کو اسلامی تشخص کے ساتھ ایک اقتصادی بلاک میں شامل کرنے کی راہ ہموار کی اور ان کو گرم پانیوں تک رسائی کی سہولت فراہم کر کے ان کے مستقبل کو سنوارنے کا بیڑا اٹھایا۔ اسی غیر مرئی قوت نے غیر محسوس طریقے سے ملکی انتظام اپنے

ہاتھ میں لے لیا اور ملک و قوم کی بدقسمتی سے جلیل القدر مناصب پر فائز شخصیات اور ہمارے سیاستدان اس عمل میں اس قوت کے آلہ کار بن گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

قیام پاکستان سے لے کر اب تک یوں تو ہماری ملکی سیاست کبھی قابل فخر نہیں رہی لیکن پچھلے چند ماہ میں میدان سیاست کے شہسواروں کی جو کج ادائیاں اور بے اعتدالیاں سامنے آئی ہیں انھوں نے ہر ذی شعور پاکستانی کو شرمسار کر دیا ہے اور وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا ہے کہ کیا ملک کا مستقبل بے اصول اور لاابالی سیاست دانوں کے ہاتھوں میں محفوظ بھی ہے یا نہیں۔ اس سوچ کے لئے جن واقعات نے فضا پیدا کی وہ کچھ اس طرح ہیں:

(الف)۔ ملک کے سب سے جلیل القدر منصب پر فائز شخصیت کے بارے میں اگر اس خوش فہمی میں بھی مبتلا رہا جائے کہ وہ کسی غیر ملکی طاقت کے مقاصد میں آلہ کار نہیں بنی، تب بھی یہ حقیقت تسلیم کرنی پڑتی ہے کہ اس شخصیت نے محض اپنے اقتدار کو طول دینے کی غرض سے ایک مستحکم اور فعال حکومت کو ناکام کرنے کی ٹھان لی، ایک دستوری گنجائش کے ناروا استعمال سے اس کو رستے سے ہٹایا اور ایک لمحہ کے لئے بھی یہ نہیں سوچا کہ اس اقدام کے نتیجہ میں ملک و قوم کا کتنا نقصان ہوگا۔

(ب)۔ اس واردات کو جب عدالت عظمیٰ نے دستور کے منافی اور ناروا قرار دے دیا تو اس شخصیت کی انا کو ٹھیس پہنچی۔ اس نے اپنے گماشتوں کے ذریعے نظام عدالت ہی کا مذاق اڑوایا اور عملاً عدالتی فیصلے کو پائے حقارت سے ٹھکرا دیا خواہ اس میں ملکی سلامتی ہی کو داؤں پر لگانا پڑے۔

(ج)۔ سیاستدانوں کی ایک بڑی تعداد نے اس شخصیت کے ڈفلی کا کردار ادا کیا۔ انہوں نے ایک مصنوعی بحران تشکیل دیا جس کا فی الاصل کوئی وجود نہ تھا۔ ان میں سے ہر شخص کو صرف اپنا ذاتی مفاد عزیز تھا، قومی و ملکی مفاد سے معاملات کو طے کرنے کی صلاحیت سے یہ گروہ عاری تھا۔

(د)۔ اس نظریاتی ریاست کے اراکین کی سیاسی وابستگیاں کسی اصول، ضابطے یا نظریے کی پابند نہ تھیں بلکہ جس فریق کا ساتھ دینے سے ان کو اپنے مفادات پورے ہونے کی امید نظر آئی وہ اپنی جماعتی وفاداریاں راتوں رات تبدیل کر کے اس کے ساتھ ہو لیے اور ملک کو غیر مستحکم کرنے کا باعث بنے۔

(ہ)۔ قوم کے نمائندے جب تک ایوانوں میں رہتے ہیں ان کی اصل دلچسپی قوم و ملک کے مسائل حل کرنے کے بجائے اپنی ذات کی تعمیر کے کاموں سے ہوتی ہے۔ قیمتی پلاٹ سستے داموں خرید کرنا، درجنوں کاریں بغیر ڈیوٹی ادا کئے درآمد کرنا، مالیاتی اداروں سے قرض لے کر ان کی واپسی میں پس و پیش کرنا اور قرضے معاف کرانا، اپنے رشتہ داروں کو بلا استحقاق سرکاری ملازمتیں

لے کر دینا، بیرون ملک علاج کروانے کے بہانے ملکی خزانے سے لاکھوں ہی نہیں کروڑوں روپے وصول کرنا ان کے خاص مشاغل ہیں اور برسراقتدار حکومتیں حکومت کے استحکام کے لئے اس معاملے میں ان کی دلجوئی پر مجبور ہوتی ہیں۔

(و)۔ اس نظریاتی مملکت کی سیاسی پارٹیوں کے منشوروں میں اسلام کا تذکرہ محض برائے بیت ہوتا ہے۔ اس کی عملی تعبیر کے لئے ان کے پاس کوئی پروگرام ہے اور نہ کوئی پارٹی اس کو قرار واقعی اہمیت دیتی ہے۔ حتیٰ کہ دینی جماعتیں جو حب اقتدار کو نفاذ اسلام کے مقصد سے بے وفائی کا طعنہ دیتے نہیں تھکتیں وہ اس کے لئے خود بھی کوئی بلیو پرنٹ نہیں رکھتیں اور نہ اس کے لئے انہوں نے کوئی ہوم ورک کیا ہے۔

یہ صورت حال اس مملکت خداداد کی ہے جو دشمنوں کی آنکھوں میں کانٹے کی طرح کھٹکتی ہے اور وہ بڑی عیاری سے اس کی جڑیں کاٹنے کے منصوبے بناتے رہتے ہیں۔ اس مملکت پر اگر ایسے لوگ مسلط ہو جائیں جن کی آنکھیں اقتدار کے نشہ اور حب دنیا نے حقائق سے بند کر رکھی ہوں تو قوم کی اس سے بڑھ کر حرماں نصیبی اور کیا ہوگی۔ آخرت کی جوابدہی کے احساس سے محروم ان سیاستدانوں کو شاید یہ سبق کسی نے نہیں دیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رعایا کے ساتھ دھوکہ کرنے اور اس کی بدخواہی کرنے والے امرا کو جہنم کی خبر دی ہے۔ ایک مرتبہ حضور نے فرمایا:

"حاکموں کے لئے ہلاکی ہے، سربراہوں کے لئے ہلاکی ہے، ذمہ داروں کے لئے ہلاکی ہے، قیامت کے دن بہت سے لوگ ہوں گے جو تمنائیں کریں گے کہ کاش ان کی چوٹیاں ثریا سے بندھی ہوتیں، وہ آسمان اور زمین کے درمیان لٹکے ہوتے ہوتے مگر کسی ذمہ داری کے منصب پر مقرر نہ کئے گئے ہوتے"۔

اسلام میں بیت المال یا سرکاری خزانہ کو ذاتی جاگیر بنانے کا کوئی تصور نہیں۔ اس کا ایک ایک پیسہ قوم کی امانت ہوتا ہے۔ اس کو سیاسی وفاداریاں حاصل کرنے کے لئے حلیفوں میں حیلے بہانوں سے بانٹنا جائز نہیں۔ اس بارے میں حضرت عمرؓ کا قول ہے:

"میں نے اللہ کے مال کو اپنے لئے یتیم کے مال کے درجہ پر رکھا ہے۔ اگر میں اس سے مستغنی ہوں گا تو اس کے لینے سے احتراز کروں گا اور اگر حاجت مند ہوں گا تو دستور کے مطابق اس سے اپنی ضرورت پوری کروں گا"۔

قاضی ابو یوسفؒ خلیفہ ہارون الرشید کی حکومت میں چیف جسٹس تھے۔ انہوں نے خلیفہ کے حکم پر اسلامی مالیاتی نظام کے بارے میں جامع رپورٹ مرتب کی تو اس کے مقدمہ میں خلیفہ کو آداب حکمرانی کے باب میں کچھ نصیحتیں کیں جو ہر اس شخص کے لئے مشعل راہ ہیں جو مسلمانوں کے اندر اقتدار پاتا ہے۔

قاضی صاحب فرماتے ہیں:

"امیر المومنین، میں آپ کو اس بات کی نصیحت کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے جو امانت آپ کی حفاظت میں دی ہے اس کی حفاظت کیجئے اور جس چیز کی نگرانی کا بوجھ آپ پر ڈالا ہے اس کو پوری ذمہ داری کے ساتھ اٹھایئے اور اس معاملہ میں امداد اور رہنمائی کے لئے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی طرف نہ دیکھیئے۔ اگر آپ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور سے امداد و رہنمائی حاصل کرنا چاہیں گے تو ہدایت کی سہل راہ آپ کے لئے دشوار گزار بن جائے گی اور اس کے نشانات آپ کی نگاہوں سے اوجھل ہو جائیں گے، اس کی کشادگی آپ پر تنگ کر دی جائے گی، اس کا منکر معروف بن جائے گا اور معروف منکر بن جائے گا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ہر آدمی سے اس نقصان کی بابت باز پرس ہوگی جو اس کے سپرد کئے ہوئے گلہ میں واقع ہو گا کیونکہ اگر وہ چاہتا تو اس کو تباہی کے مواقع سے دور رکھ کر اللہ کی توفیق سے اس کو نقصان سے بچا سکتا تھا اور اس کو زندگی اور نجات کے راستے پر لا سکتا تھا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ آپ اس بات سے بچیے کہ آپ اپنی رعایا کو ضائع کریں اور اللہ تعالیٰ ان کا حق آپ سے وصول کرے اور چونکہ آپ نے اپنا اجر ضائع کر دیا اس لئے وہ بھی آپ کو ضائع کر دے۔ یاد رکھیے کہ عمارت کو سہارا دینے کی فکر اس کے گرنے سے پہلے کی جاتی ہے۔ جن لوگوں کی سربراہ کاری اور حفاظت کا بار اللہ تعالیٰ نے آپ پر ڈالا ہے آپ جو کچھ ان کے لئے کریں گے اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا صلہ پائیں گے اور ان کے جو حقوق آپ ضائع کریں گے اس کا وبال آپ پر آئے گا"۔

خدا کے خوف اور فکر آخرت سے عاری ہمارے سیاستدانوں نے ملکی سیاست کا چہرہ نہایت بدنما کر دیا ہے۔ اب قوم کو پھر ایک موقع ملا ہے کہ وہ اپنے مستقبل کو بہتر بنانے کے لئے اچھے لوگوں کو منتخب کرے۔ خدا کرے کہ انتخابات میں ایسے لوگ برسر اقتدار آجائیں جو قوم کو بیرونی اثرات سے آزادی دلانے کے ضامن ہوں اور اقتدار کو محض اپنی تعمیر کے لئے استعمال نہ کریں بلکہ ان کے لئے قوت محرکہ ایمان، اسلام، مسلمانوں کی دردمندی اور اصلاح احوال ہو تاکہ مملکت خداداد اقوام عالم میں عزت کا مقام حاصل کر سکے۔

<u>تدبر قرآن</u>

خالد مسعود

تفسیر سورہ یوسف

یہ الف لام را ہے۔ یہ واضح کتاب کی آیات ہیں○ ہم نے اس کو عربی قرآن بنا کر اتارا تاکہ تم سمجھو○ ۔

ہم تمہیں ایک بہترین سرگزشت سناتے ہیں، اس قرآن کی بدولت جو ہم نے تمہاری طرف وحی کیا۔ اس سے پہلے بے شک تم اس سے ناآشنا تھے○ یہ اس وقت کی بات ہے جب یوسف نے اپنے باپ سے کہا کہ ابا جان! میں نے خواب میں گیارہ ستارے اور سورج اور چاند دیکھے، میں نے ان کو دیکھا کہ وہ میرے آگے سربسجود ہیں○ اس نے جواب دیا کہ اے میرے بیٹے! تم اپنے اس خواب کو اپنے بھائیوں کو نہ سنانا کہ وہ تمہارے خلاف کسی سازش میں لگ جائیں، شیطان انسان کا کھلا ہوا دشمن ہے○

مضمون: تقویٰ اور صبر و استقامت انجام کار کی فیروزمندی کی ضامن ہے۔ کامیابی کی منزل پر آزمائشوں کے مختلف مراحل سے گزر کر ہی پہنچنا ہو گا۔

۱۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی سرگزشت اس اعتبار سے ایک بہترین سرگزشت ہے کہ یہ ایک آئینہ ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے سے وہ تمام حالات دکھا دیئے گئے جو آپ کی قوم کے ہاتھوں آپ کو پیش آنے والے تھے۔ دارالندوہ میں قریشی لیڈروں کا آنحضرتؐ کے قتل کے مشورے کرنا اور حضور کا ان کی سازشوں سے محفوظ رہنا، غار ثور میں چھپنا اور ہجرت کر کے مدینہ میں اقتدار حاصل کرنا، اسلامی مملکت کا عروج اور اہل مکہ کا اس کی اطاعت میں داخل ہونا، فتح مکہ کے موقع پر مخالفین کے لئے عفو عام، وہ اہم واقعات ہیں جو اس سرگزشت میں گویا پہلے سے بتا دیئے گئے اور آنحضرتؐ کی جدوجہد کا انجام دکھا دیا گیا۔

۲۔ حضرت یوسفؑ کے کل گیارہ بھائی تھے جن میں سے سب سے چھوٹے بھائی بن یمین کے سوا سب سوتیلے تھے۔ ان بھائیوں کی حضرت یوسفؑ کے ساتھ واضح پرخاش تھی جس کے سبب سے حضرت یعقوبؑ کو ان کی طرف سے سازش کا اندیشہ ہوا۔

اور اسی طرح تمہارا رب تمہیں برگزیدہ کرے گا اور تمہیں باتوں کی حقیقتوں تک پہنچنا سکھائے گا اور تم پر اور آل یعقوب پر اپنی نعمت تمام کرے گا جس طرح اس نے اس سے پہلے تمہارے اجداد ابراہیم اور اسحاق پر اپنی نعمت تمام کی ٣ بیشک تمہارا رب بڑا ہی علیم و حکیم ہے ○ ٦

بے شک یوسف اور اس کے بھائیوں کی سرگزشت میں پوچھنے والوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں ٤ ○ خیال کرو جب انہوں نے کہا کہ یوسف اور اس کا بھائی ہمارے باپ کو ہم سے زیادہ پیارے ہیں حالانکہ ہم ایک پورا جتھا ہیں۔ بے شک ہمارا باپ ایک کھلی ہوئی غلطی میں مبتلا ہے ٥ ○ یوسف کو قتل کر دو یا اس کو کہیں پھینک دو تو تمہارے باپ کی ساری توجہ تمہاری ہی طرف ہو جائے گی اور اس کے بعد تم بالکل ٹھیک ہو جاؤ گے ○ ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا کہ یوسف کو قتل تو نہ کرو، اگر تم کچھ کرنے ہی والے ہو تو اس کو کنوئیں کی تہ میں پھینک دو، کوئی راہ چلتا قافلہ اس کو نکال لے جائے گا ٦ ○ ١٠

انہوں نے اپنے باپ سے کہا اے ہمارے باپ، کیا بات ہے کہ یوسف کے معاملے میں آپ ہم پر اعتماد نہیں کرتے حالانکہ ہم اس کے بڑے ہی خیر خواہ ہیں۔ کل اس کو ہمارے ساتھ جانے دیجئے، ذرا چرے چگے اور کھیلے کودے اور ہم اس کی پوری حفاظت کے ذمہ دار ہوں گے ٧ ○ اس نے کہا مجھے غم

٣۔ یعنی خواب میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں منصب نبوت پر سرفراز فرمائے گا اور تعبیر رویا کا خاص علم بھی عطا فرمائے گا جو اس منصب کا لازمی تقاضا ہے۔ نعمت سے مراد دین و شریعت کی نعمت ہے۔

٤۔ مراد یہ ہے کہ اس سرگزشت کے سنانے سے اصل مقصود داستان سرائی نہیں بلکہ ان سوالوں کا جواب دینا ہے جو دعوت اسلام کے اس دور میں اپنوں اور بیگانوں دونوں ہی کے ذہنوں میں ابھر رہے ہیں۔

٥۔ یعنی جتھا اور جماعت کی حیثیت میں دھاک تو ہمارے بل بوتے پر ہے اور وقت آنے پر باپ کی حمایت و مدافعت کا ذریعہ ہم بنیں گے لیکن باپ کو محبت یوسف اور اس کے بھائی سے ہے۔ اس سے بڑی غلطی اور کیا ہو سکتی ہے۔

٦۔ اس زمانہ میں بردہ فروشی کا عام رواج تھا اس لئے اس بات کا امکان تھا کہ کنوئیں پر سے گزرتا ہوا کوئی قافلہ یوسف کو غلام بنا لے گا۔ گویا اس بھائی کا کہنا یہ تھا کہ اس طرح تم پر قتل کا الزام بھی نہیں آئے گا اور تمہارے پہلو کا کانٹا بھی نکل جائے گا۔

٧۔ بیٹوں نے باپ کے آگے ایک پکنک کا پروگرام پیش کیا اور کہا کہ ہماری دلی آرزو ہے کہ یوسف

میں یہ چیز ڈالتی ہے کہ تم اسے لے جاؤ اور ڈرتا ہوں کہ جب تم اس سے غافل ہو تو اس کو بھیڑیا کھا جائے ٨ ○ وہ بولے کہ اگر اس کو بھیڑیا کھا گیا جب کہ ہم ایک پوری جماعت ہیں تو ہم تو اس صورت میں نہایت ہی نامراد ثابت ہوں گے ○ ١٤

پس جب وہ اس کو لے گئے اور یہ طے کر لیا کہ اس کو کنوئیں کی تہ میں پھینک دیں اور ہم نے اس کو وحی بھی کر دی کہ تم ان کو ان کی اس کارستانی سے آگاہ کرو گے جب کہ ان کو کچھ خیال بھی نہ ہوگا ٩ ○ اور وہ اپنے باپ کے پاس کچھ رات گئے روتے ہوئے آئے ○ تو بولے کہ اے ہمارے باپ ہم ایک دوسرے سے دوڑ میں مقابلہ کرتے ہوئے دور نکل گئے اور یوسف کو ہم نے اپنے سامان کے پاس چھوڑا تو اس کو بھیڑیا کھا گیا ___ اور آپ تو ہماری بات باور کرنے والے ہیں نہیں اگرچہ ہم سچے ہی ہوں ١٠ ○ اور وہ اس کے کرتے پر جھوٹ موٹ کا خون بھی لگا لائے۔ اس نے کہا بلکہ یہ تو تمہارے جی کی ایک گھڑی ہوئی بات ہے تو صبر جمیل کی توفیق ملے ١١ اور جو کچھ تم بیان کرتے ہو اس میں خدا ہی سہارا ہے ○ ١٨

اور ایک قافلہ آیا تو انہوں نے اپنے سقہ کو بھیجا۔ اس نے ڈول ڈالا تو پکار اٹھا، خوشخبری ہو! یہ تو ایک لڑکا ہے! اور اس کو ایک پونجی سمجھ کر محفوظ کر لیا اور اللہ خوب باخبر تھا اس چیز سے جو وہ کر رہے تھے ١٢ ○ اور انہوں نے اس کو ایک حقیر قیمت، چند درم کے عوض، بیچ دیا اور وہ اس کے معاملے میں

بھی اس میں شریک ہو، ذرا اچھل پھلاری کھائے گا، ہمارے ساتھ کھیلے کودے گا اور اس کو اگر کوئی خطرہ ہوا تو ہم سب اس کی حفاظت کے لئے موجود ہیں۔

٨۔ معلوم ہوتا ہے اس علاقے میں بھیڑیوں کی کثرت تھی اور آدمیوں پر ان کے حملوں کی وارداتیں ہوتی رہتی تھیں۔ حضرت یعقوبؑ کو اسی بات کا اندیشہ ہوا۔

٩۔ وحی سے مراد اصطلاحی وحی نہیں بلکہ مراد دل میں بات ڈال دینا ہے۔ صالحین کو ظالموں کے ہاتھوں جب کوئی آزمائش پیش آتی ہے تو اللہ تعالیٰ مظلوم کے دل پر غیب سے تسلی و بشارت نازل فرماتا ہے۔ حضرت یوسفؑ کو بھی یہ الہام ہوا کہ تم اس آفت سے نجات پاؤ گے اور وہ وقت آئے گا کہ تم ان لوگوں کو ان کی کارستانی سے آگاہ کرو گے۔

١٠۔ یہ بات کہنے کو تو انہوں نے کہہ دی لیکن وہ خود بھی مطمئن نہیں تھے کہ حضرت یعقوبؑ ان کی اس بات کو باور کر لیں گے چنانچہ ان کے دل کا چور ان کی زبان پر آ گیا۔

١١۔ صبر جمیل سے مراد وہ صبر ہے جو ہر قسم کے گلے شکوے اور نوحہ و ماتم سے پاک ہو۔

١٢۔ مطلب یہ کہ انہیں تو ایک غلام ہاتھ آیا تھا، خوش تھے کہ اس کو بیچ کر کچھ پیسے حاصل کر لیں گے

بالکل بے پروا تھے ۱۳ ○ ۲۰

اور اہل مصر میں سے جس نے اس کو خریدا اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ ذرا اس کو خاطر سے رکھیو۔ امید ہے کہ ہمیں نفع پہنچائے ۱۴ یا ہم اس کو بیٹا ہی بنالیں اور اس طرح ہم نے یوسف کے لئے ملک میں زمین ہموار کی تاکہ ہم اس کو منتخب کریں اور اس کو باتوں کی تعبیر بتائیں اور اللہ اپنے ارادے کی تنفیذ پر غالب ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ۱۵ ○ اور جب وہ اپنی پختگی کو پہنچا ہم نے اس کو حکومت اور علم عطا کیا اور ہم خوب کاروں کو اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں ○ ۲۲

اور جس عورت کے گھر میں وہ تھا وہ اس پر ڈورے ڈالنے لگی اور اس نے دروازے بند کر لئے اور بولی کہ بس آجاؤ ۱۶ اس نے کہا معاذ اللہ! وہ میرا آقا ہے، اس نے مجھے خاطر سے رکھا ہے۔ حق تلفی کرنے والے ہرگز فلاح نہیں پاتے ○ اور عورت نے تو اس کا قصد کر ہی لیا تھا وہ بھی اس کا قصد کر لیتا اگر اس نے اپنے رب کی واضح نشانی نہ دیکھ لی ہوتی ۱۷ ہم نے ایسا ہی کیا تاکہ ہم اس سے برائی اور بے حیائی کو دور رکھیں۔ بے شک وہ ہمارے برگزیدہ بندوں میں سے تھا ○ ۲۴

اور وہ دونوں دروازے کی طرف جھپٹے اور اس نے یوسف کا کرتا پیچھے سے پھاڑ دیا اور دونوں نے

اور اللہ ان کے ہاتھوں اپنی اسکیم پوری کر رہا تھا۔

۱۳۔ ان کو یہ غلام مفت ہاتھ آیا تھا۔ وہ جس قیمت پر بھی بک جاتا ان کے لئے نفع ہی نفع تھا اس لئے ان کو بے پروا ہونا ہی تھا۔

۱۴۔ یوسفؑ کو خریدنے والا شخص حکومت مصر کا ایک اعلیٰ افسر تھا جس کے اولاد نہ تھی۔ تورات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے یوسف کو اپنے گھر اور جاگیر کا انتظام سپرد کر دیا۔

۱۵۔ یعنی خدا کی سکیمیں اسی طرح بروئے کار آتی ہیں لیکن جن لوگوں کی نظر صرف ظاہر پر ہوتی ہے وہ اس کو نہیں سمجھتے۔ یہی وجہ ہے کہ قریش کو بھی رسول اللہؐ کا روشن مستقبل نظر نہیں آتا۔

۱۶۔ حضرت یوسفؑ کی آزمائش کا پہلا مرحلہ ختم ہوا تو ساتھ ہی دوسرا مرحلہ شروع ہو گیا۔ اور یہ ان کے مالک کی بیوی کی طرف سے عشق و محبت کی شکل میں نمودار ہوا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ اس نے دروازے بند کر کے ان کو دعوت گناہ دی۔

۱۷۔ "واضح نشانی" سے مراد وہ نور یزدانی ہے جو اللہ تعالیٰ ہر انسان کی فطرت کے اندر ودیعت فرماتا ہے۔ جن لوگوں کے اندر یہ نور قوی ہوتا ہے وہ نہایت سخت آزمائش کے موقع پر بھی اس کی رہنمائی میں نفس اور شیطان کے فتنوں میں مبتلا ہونے سے بچ جاتے ہیں۔ حضرت یوسفؑ کا یہی نور اس موقع پر ان کے باطن میں چمکا اور ان کو گناہ سے محفوظ رکھا۔

اس کے شوہر کو دروازے پر پایا۔ وہ بولی کہ جو تیری بیوی کے ساتھ کسی برائی کا ارادہ کرے اس کی سزا اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ وہ قید خانہ میں ڈالا جائے یا وہ کوئی دردناک تکلیف بھگتے ○ اس نے کہا اسی نے مجھے پھسلانے کی کوشش کی ۱۸ اور عورت کے خاندان والوں میں سے ایک گواہ نے گواہی دی کہ اگر اس کا کرتا آگے سے پھٹا ہوا ہو تو وہ سچی ہے اور یہ جھوٹا ہے ○ اور اگر اس کا کرتا پیچھے سے پھٹا ہو تو وہ جھوٹی اور یہ سچا ہے ○ تو جب اس نے اس کا کرتا پیچھے سے پھٹا ہوا دیکھا تو بول اٹھا کہ بے شک یہ تمہارا ہی چرتر ہے اور تمہارے چرتر بڑے ہی فتنہ ہوتے ہیں ۱۹ ○ یوسف، اس کو چھوڑو، اور تو اپنے گناہ کی معافی مانگ، بے شک تو ہی خطاوار ہے ○ ۲۹

اور شہر میں کچھ عورتوں نے کہا کہ عزیز کی بیوی اپنے غلام پر ڈورے ڈال رہی ہے۔ اس کے عشق میں دیوانی ہو گئی ہے۔ ہم تو اس کو کھلی حماقت میں مبتلا دیکھ رہے ہیں ۲۰ ○ جب اس نے ان کے چرتر کا حال سنا تو اس نے انہیں بلا بھیجا اور ان کے لئے نشست گاہ آراستہ کی اور ان میں سے ہر ایک کو ایک ایک چھری دی اور یوسف سے کہا کہ تم ان کے سامنے آؤ ۲۱ تو جب انہوں نے اس کو دیکھا اس کی عظمت سے مبہوت رہ گئیں اور انہوں نے اپنے ہاتھ زخمی کر لئے اور بولیں کہ حاشا للہ یہ آدمی نہیں۔ یہ تو

۱۸۔ جب شوہر کو دیکھتے ہوئے عورت نے شوہر کی نظروں میں اپنے کو بری اور یوسفؑ کو مجرم ثابت کرنے کی کوشش کی تو انہوں نے بھی وضاحت کی کہ اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے بلکہ یہی میرے پیچھے پڑی ہوئی ہے۔ اس طرح گویا ایک مقدمہ بن گیا کہ دونوں میں جھوٹا کون ہے اور سچا کون۔

۱۹۔ صورت حال کو سمجھنے میں اگر حالات و قرائن میں سے کوئی چیز مددگار ہو سکتی تھی تو وہ قمیض پھٹنے کا واقعہ تھا۔ عورت کے خاندان کے کسی شخص نے نہایت معقول رائے دی جس کے مطابق قمیض کا معائنہ کیا گیا تو شوہر سمجھ گیا کہ یہ عورت کا فریب تھا اور یوسف بے قصور تھے۔

۲۰۔ ان عورتوں کا مطلب یہ تھا کہ اول تو یہی بات عجیب ہے کہ ایک اعلیٰ عہدہ دار کی بیگم اپنے غلام کے پیچھے اپنے کو خوار کرے، پھر اس سے بھی عجیب تر ماجرا یہ ہے کہ اس کو بھی رام نہ کر سکے۔ بڑی احمق ہے کہ بدنام بھی ہوئی اور نامراد بھی رہی۔ ہمارے مشورے پر عمل کرے تو غلام کی پارسائی کی دھوم ختم ہو جائے۔

۲۱۔ عورت نے شہر کی بیگمات کو اپنے ہنر یوسف پر آزمانے کا موقع دینے کے لئے ان کی دعوت کا اہتمام کیا اور ان کی تجویز کے مطابق ان کے ہاتھوں میں چھریاں پکڑا دیں اور اس کے بعد اس نے یوسفؑ سے کہا کہ ذرا ان کے سامنے آؤ۔

کوئی فرشتہ یزدانی ہے ۲۲ ○ وہ بولی کہ یہی ہے وہ جس کے بارے میں تم مجھے ملامت کر رہی تھیں۔ بیشک میں نے اس پر ڈورے ڈالے لیکن یہ بچ رہا، اگر اس نے وہ نہ کیا جو میں اسے کہہ رہی ہوں تو وہ ضرور قید خانہ جائے گا اور ذلیل ہو گا ○ اس نے دعا کی اے میرے رب! قید خانہ مجھے اس چیز کے مقابل میں زیادہ محبوب ہے جس کی یہ مجھے دعوت دے رہی ہیں اور اگر تو نے ان کے چرتر کو مجھ سے دفع نہ کیا تو میں ان کی طرف مائل اور جذبات سے مغلوب ہو جانے والوں میں سے ہو جاؤں گا ۲۳ ○ تو اس کے رب نے اس کی دعا قبول فرمائی اور ان کے چرتر کو اس سے دفع کر دیا۔ بے شک وہ سننے والا جاننے والا ہے ○ ۳۴

پھر نشانیاں دیکھ چکنے کے بعد انہیں مصلحت یہی معلوم ہوئی کہ اس کو کچھ مدت کے لئے قید کر دیں ○ اور اس کے ساتھ دو اور جوان بھی جیل خانہ میں داخل ہوئے۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ میں اپنے آپ کو خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں شراب نچوڑ رہا ہوں اور دوسرے نے کہا کہ میں اپنے کو دیکھتا ہوں کہ میں اپنے سر پر روٹی اٹھائے ہوئے ہوں جس میں سے چڑیاں کھا رہی ہیں۔ آپ ہمیں اس کی تعبیر بتائیے۔ ہم آپ کو خوب کاروں میں سے سمجھتے ہیں ○ اس نے کہا جو کھانا تمہیں ملتا ہے وہ آنے گا نہیں کہ میں اس کے آنے سے پہلے پہلے تمہیں اس کی تعبیر بتا دوں گا۔ ۲۴ یہ اس علم میں سے ہے جو میرے رب نے مجھے سکھایا ہے۔ میں نے ان لوگوں کے مذہب کو چھوڑا ہے جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور آخرت کے یہی لوگ منکر ہیں ○ اور میں نے اپنے بزرگوں، ابراہیم اور اسحٰق اور یعقوب کے مذہب

۲۲۔ یہاں قرینہ اس بات کا ہے کہ انہوں نے حضرت یوسفؑ کو اپنی باتوں سے رام کرنے کی کوشش کی لیکن جب یہ باتیں کارگر نہیں ہوئیں تو یوسف کے دل میں اپنی بات کے حق میں ہمدردی پیدا کرنے کے لئے خودکشی کی دھمکی دی اور اس دھمکی کو موثر بنانے کے لئے پہلے اقدام کے طور پر چھریوں سے اپنے ہاتھ زخمی کر لئے۔ خودکشی کی دھمکی عورت کے نہایت کارگر ہتھیاروں میں سے ہے لیکن یوسف پر اس کا بھی کوئی اثر نہ ہوا اور عورتوں کو اپنی ناکامی کا اعتراف کرنا پڑا۔

۲۳۔ جیل بھیجنے کی دھمکی تو یوسفؑ کو مرعوب کرنے کے لئے دی گئی تھی کہ وہ اس سے ڈر کر عورت کی خواہش پوری کرنے پر آمادہ ہو جائیں لیکن انہوں نے دعوت ہوس کے مقابلہ میں جیل جانے کے حق میں دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے۔ اب ان کی تیسری آزمائش شروع ہوئی۔

۲۴۔ حضرت یوسفؑ نے فوراً کوئی جواب دینے کے بجائے خواب کی تعبیر کے معاملے کو کھانے کی تقسیم کے وقت تک ٹال دیا تاکہ سوچ کر یا رب کی طرف رجوع کر کے تعبیر بتائیں اور اس التوا سے حق کی تبلیغ کا ایک نہایت اچھا موقع پیدا کریں۔

کی پیروی کی۔ ۲۵ ہمیں حق نہیں کہ ہم کسی چیز کو اللہ کا شریک ٹھہرائیں۔ یہ اللہ کا ہم پر اور لوگوں پر فضل ہے لیکن اکثر لوگ شکر گزار نہیں ہوتے ○ اے میرے جیل کے دونوں ساتھیو! کیا الگ الگ بہت سے رب بہتر ہیں، یا اکیلا اللہ ہی سب پر حاوی و غالب ○ تم اس کے سوا نہیں پوجتے ہو مگر چند ناموں کو جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے رکھ چھوڑے ہیں۔ اللہ نے ان کی کوئی دلیل نہیں اتاری۔ اختیار و اقتدار صرف اللہ ہی کا ہے۔ اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی پرستش نہ کرو۔ یہی دین قیم ہے ۲۶ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ○ ۴۰

اے میرے زندان کے دونوں ساتھیو، تم میں سے ایک تو اپنے آقا کو شراب پلانے کی خدمت انجام دے گا۔ رہا دوسرا تو اس کو سولی دی جائے گی، پھر پرندے اس کے سر کو نوچ نوچ کر کھائیں گے۔ اس امر کا فیصلہ ہوا جس کے بارے میں تم پوچھ رہے تھے ○ ۴۱

اور جس کے بارے میں اس نے خیال کیا کہ وہ چھوٹ جانے والا ہے اس سے اس نے کہا کہ اپنے آقا کے پاس میرا ذکر کیجیو۔ ۲۷ تو شیطان نے اس کو اپنے آقا سے ذکر کرنا بھلا دیا پس وہ جیل خانہ میں کئی سال پڑا رہا ○ ۴۲

اور بادشاہ نے کہا کہ میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ سات موٹی گائیں ہیں جنہیں سات دبلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات سبز بالیاں ہیں اور دوسری سات خشک۔ اے درباریو، میرے رویا کی مجھے تعبیر بتاؤ اگر تم

۲۵۔ یعنی حق کو میں نے محض اس لئے نہیں اختیار کیا کہ یہ باپ دادا کی میراث ہے بلکہ اس لئے اختیار کیا ہے کہ وہی اختیار کرنے کی چیز ہے۔ اسی طرح اگر باطل کو چھوڑا ہے تو اس لئے **چھوڑا ہے** کہ میں نے باطل کا باطل ہونا معین کر لیا ہے۔

۲۶۔ مطلب یہ ہے کہ انسان کو اپنے اوپر کسی کو خدا بنا کر مسلط کرنے کا شوق نہیں ہے۔ وہ ایک خدا کو اس لئے مانتا ہے کہ اس کے ماننے پر اس کی عقل اور فطرت اس کو مجبور کرتی ہے۔ اس کے سوا دوسروں کو خدا ماننے کی اس کو کیا مجبوری ہے کہ وہ خواہ مخواہ ان کی غلامی کا طوق بھی اپنی گردن میں ڈال لے جبکہ ان کے خدا ہونے کی کوئی دلیل موجود نہیں۔ حکم اور فیصلہ سب اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔

۲۷۔ مراد انہی باتوں کا ذکر کرنا ہے جو جیل کی معیت کے دوران میں اس کے علم و مشاہدہ میں آئی تھیں۔ حضرت یوسفؑ نے اس خواہش کا اظہار اس توقع پر کیا ہو گا کہ شاید اسی راہ سے مظلومانہ قید سے رہائی کی کوئی شکل پیدا ہو۔ کسی جائز مقصد کے لئے جائز تدابیر و وسائل کا اختیار کرنا توکل اور اعتماد علی اللہ کے منافی نہیں ہے۔

خواب کی تعبیر دیتے ہو ○ وہ بولے یہ خواب پریشان ہیں اور ہم پریشان خوابوں کی تعبیر کے عالم نہیں۔ ۲۸ اور ان دونوں میں سے جو چھوٹ گیا تھا اور ایک مدت کے بعد اسے یاد پڑا، وہ بولا کہ میں آپ لوگوں کو اس کی تعبیر بتاؤں گا، پس مجھے جانے دیجیے ○ ۴۵

یوسف! اے راست باز! ۲۹ ہمیں سات فربہ گائیوں کے بارے میں جنہیں سات دبلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات سبز بالیوں اور دوسری سات خشک بالیوں کے بارے میں تعبیر بتا تاکہ میں لوگوں کے پاس جاؤں تاکہ وہ بھی جانیں۔ اس نے کہا تم سات سال برابر کاشت کرو گے۔ پس جو فصل کاٹو، اس قلیل مقدار کے سوا جو تم کھاؤ، اس کی بالیوں میں چھوڑ دیا کرو ○ پھر اس کے بعد سات سخت سال آئیں گے جو، بجز اس قلیل مقدار کے جو تم محفوظ کر لو گے، اس کو چٹ کر جائیں گے جو تم نے ان کے لئے فراہم کیا ہوگا ○ پھر اس کے بعد ایک ایسا سال آئے گا جس میں لوگوں کی فریاد رسی ہوگی ۳۰ اور لوگ اس میں انگور نچوڑیں گے ○ ۴۹

اور بادشاہ نے کہا کہ اس کو میرے پاس لاؤ۔ پس جب قاصد اس کے پاس آیا اس نے کہا کہ تم اپنے آقا کے پاس واپس جاؤ اور اس سے دریافت کرو کہ ان عورتوں کا کیا حال ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ زخمی

۲۸۔ دربار کے معبروں نے یہ فقرہ کہہ کر بادشاہ کی پریشانی دور کرنے کی کوشش کی کہ جہاں پناہ یہ خواب پریشان کی نوعیت کی چیز ہے۔ اس طرح کے خوابوں کی کوئی تعبیر نہیں ہوتی۔ ساتھ ہی انہوں نے اپنا بھرم قائم رکھنے کے لئے کہا کہ ہمارا کام صرف بامعنی خوابوں کی تعبیر بتانا ہے نہ کہ خواب ہائے پریشان کی۔

۲۹۔ "اے راست باز" سے خطاب اس بات کا قرینہ مہیا کرتا ہے کہ وہ شخص محض اپنے خواب کی تعبیر کی بناء پر حضرت یوسفؑ کا معتقد نہیں ہوگیا تھا بلکہ ایک مدت تک جیل میں ان کی زندگی کی پاکبازی اور صداقت کا اس کو جو تجربہ ہوا تھا اس سے وہ متاثر ہوا تھا۔ راست بازی تمام اوصاف حسنہ سے متصف ہونے کی ایک جامع تعبیر ہے۔

۳۰۔ حضرت یوسفؑ نے خواب کی تعبیر یہ بتائی کہ سات سال اچھی فصل اٹھانے کے بعد سات سال متواتر قحط سالی کے ہوں گے۔ اس کے بعد لوگوں کی چیخ و پکار اور دعا و فریاد کی خدا کے ہاں شنوائی ہوگی، اس کا ابر کرم برسے گا اور عمدہ فصل ہوگی۔ ساتھ ہی حضرت یوسفؑ نے پہلے سات سالوں میں قحط کے مقابلہ کے لئے غذائی ضروریات سے زائد غلہ بالیوں میں چھوڑتے رہنے کا مشورہ دیا تاکہ وہ کیڑے مکوڑوں سے محفوظ رہے۔

کر لئے تھے؟ بے شک میرا رب ان کے کید سے خوب واقف ہے ○ ۳۱ اس نے پوچھا، تمہارا کیا ماجرا ہے جب تم نے یوسف کو پھسلانے کی کوشش کی؟ وہ بولیں کہ حاشاللہ ہم نے اس پر برائی کا کوئی بھی نقش نہیں پایا۔ عزیز کی بیوی بولی اب حق آشکارا ہوگیا۔ میں نے اس کو پھسلانے کی کوشش کی ۳۲ اور بے شک وہ راست بازوں میں سے ہے ○ ۵۱

یہ اس لئے کہ وہ جان لے کہ میں نے پیٹھ پیچھے اس سے بے وفائی نہیں کی اور بے شک اللہ خائنوں کی چال کو چلنے نہیں دیتا ○ اور میں اپنے نفس کو بری نہیں قرار دیتا۔ نفس تو برائیوں ہی کی راہ سجھانے والا ہے مگر جب میرا رب رحم فرمائے۔ ۳۳ بے شک میرا رب بخشنے والا، رحم فرمانے والا ہے ○ ۵۳

اور بادشاہ نے کہا، اس کو میرے پاس لاؤ، میں اس کو اپنا معتمد خاص بناؤں گا۔ پھر جب اس سے بات چیت کی تو کہا اب تم ہمارے ہاں بااقتدار اور معتمد ہوئے ○ اس نے کہا مجھے ملک کے ذرائع آمدنی پر مامور کیجئے ۳۴ میں متدین بھی ہوں اور باخبر بھی ○ ۵۵

۳۱۔ حضرت یوسفؑ نے محض بادشاہ کے وقتی حسن ظن سے فائدہ اٹھا کر اپنی رہائی اور بادشاہ کے تقرب کو پسند نہیں فرمایا بلکہ سب سے زیادہ اہمیت اس الزام سے برات کو دی جس کو بہانہ بنا کر ان کو جیل بھیجا گیا تھا۔ اس لئے انہوں نے رہائی سے پہلے عورتوں کے معاملہ کی تحقیق کا مطالبہ کیا اور اس کو انہوں نے کید سے تعبیر کیا۔ کید کا مطلب چال ہوتا ہے۔ گویا عورتوں کا ہاتھوں کو زخمی کرنا ایک چال کے طور پر تھا تاکہ حضرت یوسفؑ کو اپنے ڈھب پر لا سکیں۔ اگر عورتیں ان کے حسن و جمال سے بے خود ہو کر ہاتھوں پر چھری چلا لیتیں تو اس میں چال کا کوئی پہلو نہ تھا کہ اس مرحلہ پر حضرت یوسفؑ اس کو کید سے تعبیر فرماتے۔

۳۲۔ معاملہ کی تحقیقات کی تفصیل قرآن نے بیان نہیں کی۔ صرف اس کا نتیجہ بتایا ہے کہ تمام عورتوں نے کھلے دل سے اعتراف کیا کہ ہم نے یوسفؑ پر برائی کا کوئی نقش نہیں پایا۔ عزیز مصر کی بیوی نے بھی اعتراف جرم کر لیا۔

۳۳۔ یہ قول حضرت یوسفؑ کا ہے۔ فرماتے ہیں کہ تحقیقات پر میرے اصرار سے کوئی اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو کہ میں اپنے نفس کو گناہ سے بالاتر سمجھتا ہوں۔ نفس میرے ساتھ بھی ہے۔ اس کے فتنوں سے وہی بچتا ہے خدا کی رحمت اور فضل جس کے شامل حال ہو۔ نیز سچائی اور وفاداری پر استوار رہنے والے ہی سرخرو اور بامراد ہوتے ہیں۔

۳۴۔ بادشاہ نے حضرت یوسفؑ کے سامنے اپنی حکومت میں بڑے سے بڑے منصب کی پیشکش کر دی تو انہوں نے اپنے علم و تجربہ کے مطابق ملک کے ذرائع پیداوار کا اہتمام و انصرام سنبھالنا پسند کیا

اور اس طرح ہم نے یوسف کو ملک میں اقتدار بخشا وہ جہاں چاہے متمکن ہو۔ ٥٦ ہم اپنے فضل سے جس کو چاہتے ہیں نوازتے ہیں اور ہم خوب کاروں کے اجر کو ضائع نہیں کرتے ○ اور آخرت کا اجر اس سے کہیں بڑھ کر ہے ان لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے اور تقویٰ پر قائم رہے ○ ٥٧

جو مشکل کو درپیش سب سے بڑا مسئلہ تھا۔

٥٦۔ بادشاہ نے اپنے اختیارات یوسف کو تفویض کردیئے۔ وہ جس حصہ ملک میں جانا چاہتے چلے جاتے۔ جہاں جو نظم و نسق ضروری سمجھتے اس کے لئے احکام صادر فرماتے۔ حکومت کے عمال بے چون و چرا ان کے احکام کی تعمیل کرتے۔

بقیہ : حصولِ علم کے طریقے

صحابہ کرام کو کیوں یہ بات پسند تھی کہ اہل بادیہ میں سے کوئی آئے اور وہ سوال کرے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں منع کر دیا تھا کہ لوگ زیادہ سوال نہ کریں۔ کیونکہ بنی اسرائیل نے زیادہ سوالات کرکر کے اپنے لئے دین کو بے حد مشکل بنا لیا تھا۔ اسلام فطری دین ہے اس لئے اللہ تعالیٰ اس کو اس کی فطری سادگی پر رکھنا چاہتا تھا۔ چونکہ اہل بادیہ کو اس حکم کا علم نہیں تھا تو وہ ایسے سوالات کرنے میں حق بجانب تھے۔ اور یہ ان کی تربیت اور اطمینان کے لئے ضروری بھی تھے اور ان کا فائدہ حاضرین مجلس اور سوال کرنے والے سب کو ہوتا تھا۔ اسی لئے صحابہ کرام کی خواہش ہوتی کہ وہ اہل بادیہ کے سوالات کے وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں موجود ہوں۔

(ترتیب : سعید احمد)

حصول علم کے طریقے

(صحیح بخاری کی کتاب العلم کی روایات)

باب ۸ : القراءة والعرض علی المحدث ورای الحسن والثوری ومالک القراءة جائزة واحتج بعضھم فی القراءة علی العالم بحدیث ضمام بن ثعلبہ انہ قال للنبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ امرک ان تصلی الصلوة قال نعم قال فھذہ قراءة علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم اخبر ضمام قومہ بذالک فاجازوہ واحتج مالک بالصک یقرا علی القوم فیقولون اشھدنا فلان ویقرا علی المقری فیقول القاری اقرانی فلان۔

(قرات اور اس کو محدث پر پیش کرنے کی نوعیت کیا ہے۔ حسن، ثوری اور مالک کی رائے یہ ہے کہ قرات جائز ہے۔ بعض لوگوں نے عالم کے سامنے قرات کے متعلق حدیث ضمام بن ثعلبہ سے استدلال کیا ہے۔ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا اللہ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ ہم پانچ نمازیں پڑھیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ ہاں۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ قرات ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر۔ پھر ضمام نے جاکر اپنی قوم کو خبر دی تو انہوں نے اس کو منظور کرلیا۔ امام مالک نے قرات پر استدلال دستاویزات سے کیا ہے کہ وہ لوگوں کو پڑھ کر سنائی جائیں اور وہ یہ شہادت دیں کہ فلاں نے ہم کو سنائی۔ اسی طریقے سے پڑھانے والے کے سامنے جو کچھ پڑھا جاتا ہے تو پڑھنے والا کہتا ہے کہ مجھے فلاں نے پڑھایا۔)

وضاحت

یہ روایت بھی اصول حدیث سے متعلق ہے۔ امام صاحب نے حدیث ضمام بن ثعلبہ سے استدلال کیا ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر جو بات اپنی قوم پر پیش کی تو انہوں نے اس کو منظور کرلیا۔ اسی طریقے سے شاگرد اگر استاد کے سامنے پڑھے یا استاد خود پڑھے تو شاگرد کا حدثنی فلان کہنا درست ہے۔

دوسرا استدلال دستاویز سے ہے جو کسی معاملے کے بارے میں لکھی گئی ہو۔ اس کو اگر کسی نے لوگوں کے سامنے گواہی کے طور پر پڑھا اور انہوں نے کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں تو یہ معتبر گواہی کی ایک شکل ہے۔ اسی طرح اگر استاد کے آگے کوئی شاگرد پڑھے اور استاد اس کی تصدیق کر دے تو شاگرد کے لیے اس کی روایت جائز ہونی چاہیے۔

امام صاحب کے یہ دونوں استدلال صحیح ہیں۔ عملاً حدیث کی تعلیم اسی طریقے سے ہوتی ہے۔ اس بات کے لیے امام صاحب نے جو تکلف کیا ہے اس کی چنداں ضرورت نہیں تھی۔ یہ بات عقل عام کی ہے۔

۶۱۔ حدثنا محمد بن سلام قال ثنا محمد بن الحسن الواسطی عن الحسن قال لا باس بالقراۃ علی العالم و حدثنا عبید اللہ بن موسی عن سفیان قال اذا قرا علی المحدث فلا باس ان یقول حدثنی قال و سمعت ابا عاصم یقول عن مالک و سفیان القراءۃ علی العالم و قراءۃ سواء۔

... حسن سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا کہ عالم (یعنی محدث) کے سامنے پڑھنے میں کوئی حرج نہیں اور عبید اللہ بن موسیٰ سفیان سے بیان کرتے ہیں کہ کوئی شخص جب محدث کے سامنے حدیث پڑھے تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ وہ کہے کہ حدثنی (انہوں نے مجھ سے حدیث بیان کی)۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابو عاصم کو یہ کہتے سنا کہ وہ مالک اور سفیان سے بیان کرتے تھے کہ محدث کے سامنے حدیث پڑھنا یا محدث کا خود پڑھنا برابر ہے۔

وضاحت :

مطلب یہ ہے کہ اگر آپ ایک روایت محدث کے سامنے پڑھتے ہیں تو گویا آپ کو اس کی سند مل گئی۔ اب آپ کو حق حاصل ہو گیا کہ آپ یہ کہیں کہ حدثنی فلاں یعنی فلاں نے مجھ سے حدیث بیان کی اور اس معاملے میں خواہ محدث خود پڑھے یا شاگرد پڑھے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ جن لوگوں نے فرق کیا ہے اس سے بڑے جھگڑے پیدا ہوتے ہیں۔ یہ بھی اصول حدیث کی بحث ہے جس کو امام صاحب نے یہاں بیان کیا ہے۔

باب ۲۸۔ القراءۃ والعرض علی المحدث ورای الحسن والثوری و مالک القراءۃ جائزۃ واحتج بعضھم فی

القراءۃ علی العالم۔ بحدیث ضمام بن ثعلبہ انہ قال للنبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ امرک ان تصلی الصلوۃ قال نعم قال فھذہ قراءۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم اخبر ضمام قومہ بذالک فاجازوہ واحتج مالک بالصک یقرا علی القوم فیقولون اشھدنا فلان ویقرا علی المقری فیقول القاری اقرانی فلان۔

قرات اور اس کو محدث پر پیش کرنے کی نوعیت کیا ہے۔ حسن، ثوری اور مالک کی رائے یہ ہے کہ قرات جائز ہے۔ بعض لوگوں نے عالم کے سامنے قرات کے متعلق حدیث ضمام بن ثعلبہ سے استدلال کیا ہے۔ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا اللہ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ ہم پانچ نمازیں پڑھیں۔ آپ نے فرمایا کہ ہاں۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ قرات ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر۔ پھر ضمام نے جا کر اپنی قوم کو خبر دی تو انہوں نے اس کو منظور کر لیا۔ امام مالک نے قرات پر استدلال دستاویزات سے کیا ہے کہ وہ لوگوں کو پڑھ کر سنائی جائیں اور وہ یہ شہادت دیں کہ فلاں نے ہم کو سنائی۔ اسی طریقے سے پڑھانے والے کے سامنے جو کچھ پڑھا جاتا ہے تو پڑھنے والا کہتا ہے کہ مجھے فلاں نے پڑھایا۔

وضاحت :

یہ عنوان بھی اصول حدیث سے متعلق ہے۔ امام صاحب نے حدیث ضمام بن ثعلبہ سے استدلال کیا ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر جو بات اپنی قوم پر پیش کی تو انہوں نے اس کو منظور کر لیا۔ اسی طریقے سے شاگرد اگر استاد کے سامنے پڑھے یا استاد خود پڑھے تو شاگرد کا حدثنی فلاں کہنا درست ہے۔

دوسرا استدلال دستاویز سے ہے جو کسی معاملے کے بارے میں لکھی گئی ہو۔ اس کو اگر کسی نے لوگوں کے سامنے گواہی کے طور پر پڑھا اور انہوں نے کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں تو یہ معتبر گواہی کی ایک شکل ہے۔ اسی طرح اگر استاد کے آگے کوئی شاگرد پڑھے اور استاد اس کی تصدیق کر دے تو شاگرد کے لئے اس کی روایت جائز ہونی چاہیے۔

امام صاحب کے یہ دونوں استدلال صحیح ہیں۔ عملاً حدیث کی تعلیم اسی طریقے سے ہوتی ہے۔ اس بات کے لئے امام صاحب نے جو تکلف کیا ہے اس کی چنداں ضرورت نہیں تھی۔ یہ بات عقل عام کی ہے۔

۶۱۔ حدثنا محمد بن سلام قال ثنا محمد بن الحسن الواسطی عن الحسن قال لا باس بالقراۃ علی العالم و حدثنا عبید اللہ بن موسیٰ عن سفیان قال اذا قرا علی المحدث فلا باس ان یقول حدثنی قال و سمعت ابا عاصم یقول

عن مالک وسفیان القراءۃ علی العالم وقراءۃ سواء۔

... حسن سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا کہ عالم (یعنی محدث) کے سامنے پڑھنے میں کوئی حرج نہیں اور عبیداللہ بن موسیٰ سفیان سے بیان کرتے ہیں کہ کوئی شخص جب محدث کے سامنے حدیث پڑھے تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ وہ کہے کہ حدثنی (انہوں نے مجھ سے حدیث بیان کی)۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابو عاصم کو یہ کہتے سنا کہ وہ مالک اور سفیان سے بیان کرتے تھے کہ محدث کے سامنے حدیث پڑھنا یا محدث کا خود پڑھنا برابر ہے۔

وضاحت :

مطلب یہ ہے کہ اگر آپ ایک روایت محدث کے سامنے پڑھتے ہیں تو گویا آپ کو اس کی سند مل گئی۔ اب آپ کو حق حاصل ہوگیا کہ آپ یہ کہیں کہ حدثنی فلاں یعنی فلاں نے مجھ سے حدیث بیان کی اور اس معاملے میں خواہ محدث خود پڑھے یا شاگرد پڑھے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ جن لوگوں نے فرق بیان کیا ہے اس سے بڑے جھگڑے پیدا ہوتے ہیں۔ یہ بھی اصول حدیث کی بحث ہے جس کو امام صاحب نے یہاں بیان کیا ہے۔

٦٣۔ حدثنا عبداللہ بن یوسف قال حدثنا اللیث عن سعید ھو المقبری عن شریک بن عبداللہ بن ابی نمر انہ سمع انس بن مالک یقول بینما نحن جلوس مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی المسجد دخل رجل علی جمل فاناخہ فی المسجد ثم عقلہ ثم قال ایکم محمد والنبی صلی اللہ علیہ وسلم متکئ بین ظہرانیہم فقلنا ھذا الرجل الابیض المتکئ فقال لہ الرجل یا ابن عبدالمطلب فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم قد اجبتک فقال الرجل انی سائلک فمشدد علیک فی المسئلۃ فلا تجد علی فی نفسک فقال سل عما بدا لک فقال اسئلک بربک ورب من قبلک آ اللہ ارسلک الی الناس کلھم فقال اللھم نعم قال انشدک باللہ آ اللہ امرک ان تصلی الصلوات الخمس فی الیوم واللیلۃ قال اللھم نعم قال انشدک باللہ آ اللہ امرک ان تصوم ھذا الشھر من السنۃ قال اللھم نعم قال انشدک باللہ آ اللہ امرک ان تاخذ ھذہ الصدقۃ من اغنیائنا فتقسمھا علی فقرائنا فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اللھم نعم فقال الرجل امنت بما جئت بہ وانا رسول من ورائی من قومی وانا ضمام بن ثعلبۃ اخو بنی سعد بن بکر رواہ موسیٰ وعلی بن عبدالحمید عن سلیمان عن ثابت عن انس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم بھذا۔

... انس بن مالک سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد نبوی

میں بیٹھے ہوئے تھے تو ایک شخص اونٹ پر آیا۔ اس نے اونٹ کو مسجد میں بٹھایا پھر اس کو باندھ دیا۔ (دوسری روایت میں ہے کہ مسجد کے باہر بٹھایا) پھر اس نے سوال کیا کہ آپ لوگوں میں سے محمد کون ہیں۔ اور حال یہ تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے درمیان ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ ہم نے کہا کہ یہی حضرت ہیں جو گورے چٹے ٹیک لگائے بیٹھے ہیں۔ اس پر اس شخص نے آنحضرتؐ کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔ اے عبدالمطلب کے بیٹے! نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا ہاں، بول رہا ہوں۔ اس شخص نے کہا کہ دیکھئے جی! میں آپ سے کچھ باتیں پوچھوں گا لیکن پوچھوں گا ذرا اکھڑ انداز میں، تو برا نہ مانئے گا۔ آپؐ نے فرمایا پوچھو جو کچھ پوچھنا ہے۔ اس نے کہا کہ میں آپ کو آپ کے رب اور آپ سے پہلے والوں کے رب کا حوالہ دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا اللہ نے آپ کو تمام لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے۔ آپؐ نے فرمایا میں اللہ کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ ہاں۔ اس نے کہا کہ میں آپ کو اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا اللہ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ ہم پانچ نمازیں دن اور رات میں پڑھیں۔ آپؐ نے کہا کہ ہاں اللہ گواہ ہے۔ اس نے کہا کہ میں اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا اللہ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ ہم سال میں ایک ماہ کے روزے رکھیں۔ آپؐ نے کہا کہ ہاں اللہ گواہ ہے۔ اس نے کہا کہ میں اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا اللہ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ آپ صدقہ ہمارے امراء سے وصول کریں اور غریبوں پر تقسیم کریں۔ آپؐ نے کہا کہ اللہ کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ ہاں۔ اس پر اس شخص نے کہا جو کچھ آپ لائے ہیں اس پر ایمان لایا۔ میں اپنی قوم کے لوگوں کا نمائندہ ہو کر آپ کے پاس آیا ہوں۔ میرا نام ضمام بن ثعلبہ ہے اور سعد بن بکر کے خاندان سے ہوں۔ اس روایت کو موسیٰ اور علی بن عبدالحمید نے سلیمان سے، انہوں نے ثابتؓ سے انہوں نے انسؓ سے اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح بیان کیا ہے

وضاحت :

یہ وہ مکمل روایت ہے جس کا ایک ٹکڑا امام صاحب نے باب ۴۸ میں اس بات کے استدلال میں نقل کیا تھا کہ عالم کے سامنے قرات پیش کرنے والا حدثنا، اخبرنا وغیرہ کہہ سکتا ہے دراں حالیکہ یہ روایت اپنے معانی اور مطالب کے لحاظ سے نہایت اہم اور دین کے بنیادی تقاضوں پر مشتمل ہے۔

یہ ضمام بن ثعلبہؓ بڑے پائے کے صحابی ہیں۔ ان کی بڑی تعریف آئی ہے۔ صحابہؓ کہتے ہیں کہ ہم اس انتظار میں رہتے تھے کہ کوئی دانشور سائل آئے اور تمام معاملات کی کرید کرے اور واضح سوالات کرے تاکہ ہم ان کے جوابات سنیں اور ان پر عمل کریں۔ ضمام بن ثعلبہ نے یہ کام نہایت شاندار طریقے سے انجام دیا۔ اگرچہ ان کا طریقہ خطاب اور انداز گفتگو بہت اکھڑ تھا۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ انہوں

نے بہت اعلیٰ سوالات کئے اور نہایت سائنٹفک ترتیب سے کئے۔ پہلے تو آپ کی رسالت کے متعلق سوال کیا کہ کیا واقعی آپ کو اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا ہے۔ یہ سوال بنیادی ہے۔ جب تک رسالت کا اقرار نہ ہو عبادات کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ پھر سب سے مقدم عبادت نماز پنجگانہ ہے۔ اس کے بعد رمضان کے روزے اور زکوۃ آتی ہے۔ ہر مسلمان سے یہ اسلام کا کم سے کم مطالبہ ہے۔ ان چیزوں کے بغیر کسی کا اسلام معتبر نہیں اور نہ ہی وہ اسلامی مملکت کی شہریت کا حقدار ہے۔ آج کے نام نہاد مسلمانوں کو اس روایت کی روشنی میں اپنے دین و ایمان کا حال معلوم کر لینا چاہیئے تاکہ کسی غلط فہمی میں نہ رہیں۔

امام بخاری نے اس روایت کو اصول حدیث کے طور پر پیش کیا ہے۔ وہ یہ کہ قرات جائز ہے اور روایت کو محدث پر پیش کرنا اس روایت کی رو سے ثابت ہے۔ کیونکہ ضمام بن ثعلبہ نے آنحضرتؐ سے تصدیق چاہی کہ کیا آپؐ کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ہم پانچ وقت کی نمازیں پڑھیں۔ آپؐ نے تصدیق فرمائی کہ ہاں۔ یہ قرات ہوئی نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تصدیق کر دی تو سائل کو حق ہے کہ دوسری جگہ جا کر بیان کرے جیسا کہ ضمام نے قوم کو سامنے جا کر بیان کیا۔ یہ استدلال اپنی جگہ پر جتنا نازک ہے وہ ظاہر ہے۔ لیکن میرے خیال میں اس کو ثابت کرنے کے لئے عقل عام بھی کافی ہے۔ ایک طریقہ یہ ہوتا ہے کہ استاد کسی چیز کو پڑھتا ہے اور ہم اس کو یاد کر لیتے ہیں۔ دوسرا طریقہ یہ بھی ہوتا ہے کہ ہم استاد کے سامنے پڑھتے ہیں اور وہ ہمارے پڑھنے کی تصدیق کر دیتا ہے۔ یہ عقل عام کی بات ہے جس کو ثابت کرنے کے لئے دلیلوں کی ضرورت نہیں۔

۶۳۔ حدثنا موسیٰ بن اسماعیل قال ثنا سلیمان بن المغیرۃ قال ثنا ثابت عن انسؓ قال نھینا فی القرآن ان نسال النبی صلی اللہ علیہ وسلم وکان یعجبنا ان یجئ الرجل من اھل البادیۃ فیسئلہ ونحن نسمع فجاء رجل من اھل البادیۃ فقال اتانا رسولک فاخبرنا انک تزعم ان اللہ عزوجل ارسلک قال صدق، قال فمن خلق السماء قال اللہ عزوجل، قال فمن خلق الارض والجبال قال اللہ عزوجل، قال فمن جعل فیھا المنافع قال اللہ عزوجل، قال فبالذی خلق السماء وخلق الارض ونصب الجبال وجعل فیھا المنافع اللہ ارسلک قال نعم، قال زعم رسولک ان علینا خمس صلوت وزکوۃ فی اموالنا قال صدق، قال بالذی ارسلک اللہ امرک بھذا قال نعم، قال وزعم رسولک ان علینا صوم شھر فی سنتنا قال صدق، قال فبالذی ارسلک اللہ امرک بھذا قال نعم، قال وزعم رسولک ان علینا حج البیت من استطاع الیہ سبیلا قال صدق قال فبالذی ارسلک اللہ امرک بھذا قال نعم، قال فوالذی بعثک بالحق لا ازید علیھن شیئا ولا انقص فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان صدق لیدخلن الجنۃ۔

۔۔۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ قرآن نے ہم کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرنے سے منع کر دیا تھا اس لئے ہم کو یہ بات بہت پسند تھی کہ دیہاتیوں میں سے کوئی شخص آئے، وہ آنحضرتؐ سے سوالات کرے جبکہ ہم سن رہے ہوں۔ آخر ایک دیہاتی آیا۔ وہ کہنے لگا کہ آپؐ کا ایلچی ہمارے پاس آیا۔ اس نے ہم کو خبر دی کہ آپؐ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مبعوث کیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا اس نے سچ کہا۔ وہ کہنے لگا کہ آسمان کس نے پیدا کیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ اللہ عزوجل نے۔ پھر کہنے لگا کہ زمین اور پہاڑ کس نے بنائے۔ آپؐ نے فرمایا کہ اللہ عزوجل نے۔ اس نے کہا کہ ان میں فائدے کس نے رکھے۔ آپؐ نے فرمایا کہ اللہ نے۔ پھر کہنے لگا کہ اس ذات کی قسم جس نے آسمان و زمین بنائے اور زمین میں پہاڑ گاڑے اور ان میں فائدے رکھے کیا واقعی اللہ تعالیٰ نے آپ کو بھیجا ہے؟ آپؐ نے فرمایا ہاں۔ وہ کہنے لگا کہ آپ کے ایلچی نے یہ بھی کہا ہے کہ ہمارے اوپر پانچ وقت کی نمازیں اور ہمارے مال کی زکوۃ لازم ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ اس نے سچ کہا۔ اس نے کہا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو بھیجا کیا اللہ نے آپ کو اس کا حکم دیا۔ آپ نے جواب دیا ہاں۔ اس نے پھر کہا کہ آپؐ کا ایلچی یہ بھی کہتا ہے کہ ہمارے اوپر سال میں سے ایک ماہ کے روزے فرض ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ اس نے سچ کہا۔ اس نے پوچھا کہ اس خدا کی قسم جس نے آپ کو بھیجا ہے کیا اللہ تعالیٰ نے آپکو اس کا حکم بھی دیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ ہاں۔ اس نے پھر کہا کہ آپ کے ایلچی کا کہنا ہے کہ ہم میں سے ہر اس شخص پر بیت اللہ کا حج فرض ہے جو وہاں پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو۔ آپؐ نے فرمایا وہ درست کہتا ہے۔ اس نے پوچھا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا، کیا اللہ نے اس کا حکم بھی دیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔ ہاں۔ اس پر اس آدمی نے کہا، اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا، میں ان کاموں پر نہ کچھ بڑھاؤں گا اور نہ کمی کروں گا۔ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر یہ شخص اپنی بات پر پکا رہا تو ضرور جنت میں داخل ہو گا۔

وضاحت :

امام بخاری نے اس روایت کو بھی قرات علی المحدث کے باب میں لیا ہے۔ وہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اس شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سوالات کئے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تصدیق کر دی تو اب اس شخص کو حق حاصل ہو گیا کہ وہ اس کی آگے روایت کر سکے۔ امام بخاری کا یہ مقدمہ جیسا کہ پچھلی روایت میں وضاحت کی جا چکی ہے، عقل عام کی بات ہے۔ اس پر اس قدر دلائل لانے کی ضرورت تب ہوتی جب یہ کوئی اختلافی مسئلہ ہوتا۔

رہی روایت تو یہ اپنی جگہ پر بہت اہم ہے۔ اس آدمی نے دین کے بنیادی مسائل اٹھاتے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تصدیق فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ہی خالق ارض و سما ہے، اسی نے آنحضرتؐ کو مبعوث فرمایا اور نماز، زکوۃ، روزہ اور صاحب استطاعت پر حج فرض فرمایا۔ پھر جب اس شخص نے یہ فرائض ادا کرنے کا عزم ظاہر کیا تو آنحضرتؐ نے بشارت دی کہ اگر اس نے ان تمام کاموں پر استقامت دکھائی تو یہ ضرور بہشت میں داخل ہو گا۔ دین کا ایک مسلمان سے یہ کم سے کم مطالبہ ہے۔ جو لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ وہ مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہو گئے ہیں۔ کلمہ پڑھ لیا ہے اور سال بعد عیدین کی نمازیں پڑھ لیتے ہیں یا جمعہ کے جمعہ مسجد کی حاضری دے دیتے ہیں تو ان کی نجات کے لئے یہ بہت کافی ہے، اس حدیث کی روشنی میں ان کو سمجھ لینا چاہیئے کہ اتنا کافی نہیں۔ نماز پنجگانہ، زکوۃ اگر صاحب نصاب ہو اور روزہ اور صاحب استطاعت کے لئے حج یہ تمام لازمی کرنے کے کام ہیں اور ایمان کا کم از کم تقاضا ہیں۔ ان کے بغیر ایمان کا پایا جانا مشتبہ ہے۔ بلکہ ایسا ایمان ٹھونٹھ درخت ہے جو آہستہ آہستہ فنا ہو جائے گا۔

اس شخص نے بھی ضمام بن ثعلبہؓ کی طرح سوالات بڑے تیکھے انداز میں کئے لیکن نہایت ہی اعلیٰ ترتیب سے کئے اور ہر بات اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر پوچھی جو اس کی حق پسندی پر دلالت کرتی ہے۔

بدو کے الفاظ "لا ازید ولا انقص" اس کے اس عزم کو ظاہر کرتے ہیں کہ جب اس کو دین کے اصول و مبادی کی تعلیم دے دی گئی ہے تو وہ اس میں کمی بیشی کئے بغیر ان پر عمل کرے گا۔ دوسرے ہر معاملے کی طرف دین کے اصول و مبادی کا معاملہ بھی ایسا ہے کہ ان میں ہر ضروری چیز شامل ہو گئی ہے۔ ان میں سے کسی چیز کو کم کرنا بغیر اس کے ممکن نہیں ہو تا کہ دین کے ایک حصہ کو ضائع کر دیا جائے اور ان میں اضافہ کرنا بھی دین کا حلیہ بگاڑے بغیر ممکن نہیں ہے۔ لہذا ایک شخص جب پر عزم ہو کہ وہ اصولی چیزوں میں کمی بیشی کے بغیر ان پر عمل کرے گا تو یہ اس کی سلیم الفطرتی کی دلیل ہے۔ ایسا آدمی دین کی صحیح شاہراہ پر رہتا ہے۔

بدو کے الفاظ کا یہ مفہوم لینا بالکل غلط ہو گا کہ اب وہ مزید کسی حکم کو نہیں مانے گا۔ اصول کا معاملہ یہ ہوتا ہے کہ ان کے تحت ایک شہر معانی آباد ہوتا ہے۔ بنیادی بات مان لینے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ آدمی ان تمام باتوں کو مان رہا ہے جو اس کے تحت شمار ہوتی ہیں۔ مثلاً نماز کا حکم ایک بنیادی حکم ہے۔ اس کو مان لینے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی مسجد، اذان، جماعت، طہارت، وضو و غسل، اوقات نماز، غرض نماز کے تمام متعلقات کو مان رہا ہے۔ یہ چیزیں بنیادی حکم کے علاوہ نہیں بلکہ اسی میں شامل ہیں۔ علی ہذا القیاس دوسرے امور میں بھی بدو نے گویا یہ اقرار کیا کہ وہ ان اصولی احکام کے تمام متعلقات پر بھی عمل پیرا ہو گا۔

(بقیہ: صفحہ ١٦ پر)

تدبر حدیث
امین احسن اصلاحی

نسب اور زمینوں کے متعلق بعض فیصلے

موطا امام مالک کی کتاب الاقضیہ کی روایات

القضاء بالحاق الولد بابیہ

(بیٹے کو باپ کی طرف منسوب کرنے کے بارے میں فیصلہ)

قال یحیی عن مالک عن ابن شہاب عن عروۃ بن الزبیر عن عائشہ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہا قالت کان عتبہ بن ابی وقاص عہد الی اخیہ سعد بن ابی وقاص ان ابن ولیدہ زمعہ منی فاقبضہ الیک قالت فلما کان عام الفتح اخذہ سعد، و قال ابن اخی قد کان عہد الی فیہ فقام الیہ عبد بن زمعہ، فقال اخی و ابن ولیدہ ابی ولد علی فراشہ فتسا وقا الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال سعد یا رسول اللہ ابن اخی قد کان عہد الی فیہ، و قال عبد بن زمعہ اخی و ابن ولیدہ ابی ولد علی فراشہ، فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھو لک یا عبد بن زمعہ ثم قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الولد للفراش و للعاھر الحجر، ثم قال لسودہ بنت زمعہ احتجبی منہ لما رای من شبہہ بعتبہ بن ابی وقاص قالت فما راھا حتی لقی اللہ۔

■ ... حضرت عائشہؓ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ عتبہ بن ابی وقاص نے اپنے بھائی سعد بن ابی وقاص کو یہ ذمہ داری سونپی کہ زمعہ کی لونڈی کا بیٹا مجھ سے ہے، تم اس کو اپنے قبضہ میں کر لینا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب مکہ فتح ہوا تو سعدؓ نے اس بچے کو لے لیا اور کہا کہ یہ میرے بھائی کا بیٹا ہے۔ اس نے اس کے بارے میں مجھے ذمہ دار ٹھہرایا ہے۔ عبد بن زمعہؓ اٹھے اور کہا کہ یہ میرا بھائی ہے۔ میرے باپ کی لونڈی کا بیٹا ہے اور اس کے بستر پر پیدا ہوا ہے۔ دونوں مقدمہ لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گئے۔ سعد بن ابی وقاصؓ نے کہا کہ یا رسول اللہؐ یہ میرے بھائی کا بیٹا ہے۔ اس نے

مجھے اس کی ذمہ داری سونپی ہے۔ عبد بن زمعہ نے کہا کہ یہ میرا بھائی ہے، میرے باپ کی لونڈی سے اس کے بستر پر پیدا ہوا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ تمہارا ہے اے عبد بن زمعہ۔ پھر آپ نے فرمایا کہ بیٹا اس کی طرف منسوب ہو گا جس کے بستر پر پیدا ہوا اور زانی کے لیے پتھر ہے۔ پھر آپؐ نے اپنی اہلیہ سودہ بنت زمعہ سے فرمایا کہ اس سے پردہ کرنا کیونکہ آپ نے اس لڑکے کے اندر عتبہ بن ابی وقاص کی مشابہت دیکھی۔ چنانچہ اس نے مرتے دم تک ان کو حضرت سودہ بنت زمعہؓ کو نہیں دیکھا۔

وضاحت:

غلامی کے نظام نے بڑے بڑے قضیے پیدا کر دیے تھے اور حقیقت یہ ہے کہ وہ آخیر تک الجھے ہی رہے۔ یہاں تک کہ یہ طے کرنا پڑا کہ نسب، اولاد اور وراثت کی تقسیم کے معاملات جس نہج پر جاہلیت میں طے پا چکے ہیں اب ان کو ادھیڑا نہیں جائے گا۔ جو شخص جس کا باپ یا بیٹا بن چکا سو بن چکا۔ اب وہی مانا جائے گا۔ اللہ کا شکر ہے کہ اب یہ ہمارے مسائل نہیں۔ ہمارے لیے یہ صرف تاریخی حیثیت رکھتے ہیں۔

میرے خیال میں اس روایت میں پہلی مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اصول بیان فرمایا کہ الولد للفراش وللعاھر الحجر کہ جس کے بستر پر بچہ پیدا ہوا ہے یعنی جس کی منسوبہ زوجہ سے پیدا ہوا ہے وہ اسی کا ہے۔ فیصلہ کن چیز یہی ہے اور زانی کے منہ پر پتھر، نامرادی اور خاک ہے۔ یعنی تعلقات اگر ناجائز رہے ہیں تو اس کے باعث نامرادی ہاتھ آئے گی۔ نسبت کا فیصلہ قیافہ سے نہیں کیا جائے گا۔ اگرچہ روایت کے حوالے سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ اصول پہلے سے معلوم و مروج تھا لیکن یہ پہلا موقع ہے کہ حضورؐ نے یہ اصول بیان فرمایا۔

آنحضرتؐ کی زوجہ سودہ بنت زمعہ آپ کی ابتدائی ازواج میں سے تھیں اور یہ ان کے بھائی کا معاملہ تھا۔ آنحضرتؐ نے اس قضیہ کے بعد ان کو ہدایت کی کہ وہ اس بھائی سے پردہ کریں کیوں کہ اس کی شکل و شباہت واقعی عتبہ بن ابی وقاص سے ملتی تھی۔ تاہم آپؐ نے فیصلہ قانون کے مطابق فرمایا۔

حدثنی مالک عن یزید بن عبداللہ بن الھادی عن محمد بن ابراہیم بن الحارث التیمی عن سلیمان بن یسار عن عبداللہ بن ابی امیہ ان امراۃ ھلک عنھا زوجھا فاعتدت اربعۃ اشھر و عشرا ثم تزوجت حین حلت فمکثت عند زوجھا اربعۃ اشھر و نصف شھر، ثم ولدت ولداً تاماً، فجاء ھا زوجھا الی عمر بن الخطاب فذکر ذالک لہ فدعا عمر نسوۃ من نساء الجاھلیۃ قدماء فسالھن عن

ذالک، فقالت امراۃ منھن انا اخبرک عن ھذہ المراۃ ھلک عنھا زوجھا حین حملت، فاھریقت علیہ الدماء فحش ولدھا فی بطنھا، فلما اصابھا زوجھا الذی نکحھا و اصاب الولد الماء تحرک الولد فی بطنھا و کبر، فصدقھا عمر بن الخطاب و فرق بینھما و قال عمر اما انہ لم یبلغنی عنکما الا خیر والحق الولد بالاول

--- سلیمان بن یسار عبداللہ بن ابی امیہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت کے شوہر کی وفات ہو گئی۔ جب عدت کے چار ماہ دس دن گزر گئے تو اس نے حلت کے بعد دوسرا نکاح کر لیا۔ نئے شوہر کے پاس اس نے جب ساڑھے چار ماہ گزارے تو اس کے ہاں ایک پورا بچہ پیدا ہوا۔ اس کا شوہر حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ ماجرا سنایا۔ حضرت عمرؓ نے جاہلیت کے زمانہ کی بڑی بوڑھیوں کو بلوایا اور ان سے پوچھا کہ یہ کیا قصہ ہے تو ایک مائی نے کہا کہ میں بتاتی ہوں کہ اس عورت کا کیا معاملہ ہے۔ یہ حاملہ تھی جب اس کا شوہر وفات پا گیا۔ بچے پر خون پڑتا رہا تو وہ پیٹ میں سوکھ گیا۔ پھر جب دوسرے شوہر سے ملاقات ہوئی تو بچے پر پانی پڑ گیا تو وہ حرکت میں آیا اور بڑا ہو گیا۔ حضرت عمرؓ نے مائی کی تصدیق کرتے ہوئے کہا کہ آپ نے بڑی مدد کی۔ پھر آپ نے اس عورت اور اس کے خاوند میں تفریق کر دی اور بچے کو پہلے خاوند کی اولاد قرار دیا۔

وضاحت:

اس طرح کا مسئلہ حل کرنے کے لیے حضرت عمرؓ موجودہ زمانے کی طرح کا کوئی میڈیکل بورڈ تو نہیں بٹھا سکتے تھے، یہی کر سکتے تھے کہ مائیوں وغیرہ سے مشورہ کریں کہ وہی ان معاملات کی خبر رکھتی تھیں۔ بچے کی پیدائش کی اقل مدت عام طور پر چھ ماہ مانی جاتی ہے۔ اس سے بھی کم مدت میں بچے کی ولادت کے بارے میں حضرت عمرؓ نے مائیوں کا مشورہ سن کر ان کا شکریہ ادا کیا کہ انہوں نے رہنمائی دی۔ اس کو راوی حضرات نے یہ سمجھا ہے کہ آپ نے ان کی رائے کی تصدیق کی۔ حالانکہ تصدیق کرنے کا سوال نہیں تھا۔ گفتگو کے نتیجہ میں یہ بات آپ کی سمجھ میں آئی کہ حمل پہلے ہی شخص کا ہے۔ زمانہ عدت میں استبراء رحم کا مقصد حاصل نہ ہوا اور عورت نے دوسرا نکاح کر لیا۔ یہ رائے قائم ہو جانے پر حضرت عمرؓ نے وہ فیصلہ کیا جو مہذب دنیا کا اخلاق ہے۔ آپ نے عورت کو طلاق دلوا دی اور بچہ اس کے پہلے شوہر سے منسوب کر دیا۔

حدثنی مالک عن یحیی بن سعید عن سلیمان بن یسار ان عمر بن الخطاب کان یلیط اولاد

الجاهلیه عن ادعاهم فی الاسلام، فاتی رجلان کلاهما یدعی ولد امراۃ فدعا عمر بن الخطاب قائفا فنظر الیهما فقال القائف لقد اشترکا فیه فضربه عمر بن الخطاب بالدرۃ ثم دعا المراۃ، فقال اخبرینی خبرک، فقالت کان هذا لاحد الرجلین یاتینی وهی فی ابل لاهلها فلا یفارقها حتی یظن و تظن انه قد استمر بها حبل ثم انصرف عنها فاهریقت علیه دماءہ ثم خلف علیها هذا تعنی الاخر فلا ادری من ایهما هو۔ قال فکبر القائف، فقال عمر للغلام وال ایهما شئت۔

--- سلیمان بن یسار روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ جاہلیت کی اولاد کو ان سے منسوب کر دیتے جو اسلام میں ان کے مدعی ہوتے تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ دو آدمی آئے وہ دونوں ایک عورت کے بیٹے کے مدعی تھے۔ حضرت عمرؓ نے ایک قیافہ شناس کو بلایا۔ اس نے دونوں کو دیکھا تو قیافہ لگایا کہ اس میں دونوں شخص شریک ہیں۔ حضرت عمرؓ نے اس پر اپنا درہ اٹھایا۔ پھر عورت کو بلایا اور کہا کہ بی بی ٹھیک ٹھیک بتا کہ واقعہ کیا ہے۔ اس نے کہا کہ بچہ ان دونوں مردوں میں سے کسی ایک کا ہے۔ یہ آدمی میرے پاس آتا تھا جب میں اس گھر کے اونٹ چراتی تھی۔ یہ اس وقت تک میری جان نہیں چھوڑتا تھا جب تک یہ گمان نہ کر لے اور میں بھی گمان نہ کر لوں کہ حمل ہو گیا۔ پھر وہ چلا گیا اور بچے کے اوپر خون جاری رہا۔ پھر یہ دوسرا شخص آگیا۔ اب میں نہیں جانتی کہ ان میں سے بچہ کس کا ہے۔ اس پر قیافہ شناس نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ حضرت عمرؓ نے لڑکے سے کہا کہ تم جس کے چاہو بیٹے بن جاؤ۔

وضاحت:

زمانہ جاہلیت میں لونڈیوں کی کوئی عزت و ناموس نہ تھی۔ وہ ایک سے دوسرے شخص کو فروخت ہوتی تھیں اور وہ ان سے جنسی تعلق قائم کر لیتے تھے۔ جب بچہ پیدا ہوتا تو اس کے نسب کے بارے میں قضیہ پیدا ہو جاتا۔

حضرت عمرؓ نے فیصلہ کرنے کے لیے اگرچہ قیافہ شناس کو بلایا لیکن فیصلہ اس کی رائے پر نہیں کیا بلکہ لڑکے کے اوپر چھوڑ دیا کہ بالغ ہو کر جس کے ساتھ چاہے اپنا نسب جوڑ لے۔ بعض معاملات میں جدید قانون میں بھی بچے کو بلوغت کے بعد خود فیصلہ کرنے کو کہا جاتا ہے۔

احناف کا مسلک یہ ہے کہ وہ قیافے کو نہیں مانتے۔ ان روایات سے بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت عمرؓ نے قیافے کو کوئی اہمیت دی ہو بلکہ آپ نے حالات کے مطابق فیصلہ کیا۔ میرے نزدیک بھی قیافہ کوئی چیز نہیں۔

حدثنی مالک انه بلغه ان عمر بن الخطاب او عثمان بن عفان قضی احدهما فی امراۃ غرت رجلا بنفسها و ذکرت انها حرۃ فتزوجها فولدت له اولادا، فقضی ان یفدی ولده بمثلهم، قال یحیی سمعت مالکا یقول: والقیمه اعدل فی هذا ان شاء الله۔

--- امام مالک کو یہ بات پہنچی کہ حضرت عمرؓ یا حضرت عثمانؓ دونوں میں سے کسی ایک نے ایسی عورت کے بارے میں فیصلہ دیا جس نے ایک شخص کو یہ دھوکہ دیا تھا کہ وہ آزاد ہے۔ تو اس شخص نے اس سے نکاح کر لیا اور اسکے اولاد بھی ہوئی۔ فیصلہ یہ کیا گیا کہ وہ اولاد کا فدیہ دے گا۔ انہی کے مانند۔ امام مالک کہتے ہیں کہ قیمت زیادہ قرین انصاف ہے۔

وضاحت:

یہ روایت میری سمجھ میں نہیں آئی۔ جب آدمی آزاد ہے تو اولاد بھی آزاد ہوگی۔ فدیے یا قیمت کا کیا سوال؟ میرے خیال میں راوی نے معاملہ کو سمجھا نہیں۔

القضاء فی امہات الاولاد

(لونڈیوں کی اولاد کے بارے میں فیصلہ)

قال یحیی قال مالک عن ابن شهاب عن سالم بن عبدالله بن عمر عن ابیه ان عمر بن الخطاب قال ما بال رجال یطؤون ولائدهم ثم یعزلوهن لا تاتینی ولیدۃ یعترف سیدها ان قد الم بها الا الحقت به ولدها فاعزلوا بعد ذالک او اترکوا۔

--- حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے کہا کہ بہت سے لوگ ایسے ہیں جو اپنی لونڈیوں سے تعلقات زن وشو قائم کرتے ہیں پھر ان کو چھوڑ دیتے ہیں تو کوئی لونڈی اگر ایسی میرے پاس آئے گی جس سے اس کے آقا نے ملاقات کا اعتراف کیا ہو گا تو اس سے جو اولاد ہو گی میں اس کو اس آقا کے کھاتے میں ڈال دوں گا۔ چاہے چھوڑو یا جوڑو۔

وضاحت :

حضرت عمرؓ نے یہ فیصلہ کیا کہ جس مالک نے ملاقات کی ہے بچہ اسی کا ہے۔ چاہے بعد میں لونڈی کو چھوڑ دے چاہے رکھے رہے۔ اس میں حضرت عمرؓ مالک کو یہ رعایت دے رہے ہیں کہ وہ اگر وطی کا اعتراف کرے تب ایسا کیا جائے گا ورنہ نہیں۔ اس زمانہ میں غلامی کا یہ مسئلہ سرے سے موجود ہی نہیں ہے۔ اس لیے اس میں زیادہ پڑنے کی ضرورت نہیں۔

القضاء بالحاق الولد بابیه

(بیٹے کو باپ کی طرف منسوب کرنے کے بارے میں فیصلہ)

قال یحیی عن مالک عن ابن شہاب عن عروة بن الزبیر عن عائشة زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہا قالت کان عتبة بن ابی وقاص عہد الی سعد بن ابی وقاص ان ابن ولیدة زمعة منی فاقبضہ الیک قالت فلما کان عام الفتح اخذہ سعد، وقال ابن اخی قد کان عہد الی فیہ فقام الیہ عبد بن زمعة، فقال اخی وابن ولیدة ابی ولد علی فراشہ فتساوقا الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال سعد یا رسول اللہ ابن اخی قد کان عہد الی فیہ، وقال عبد بن زمعة اخی وابن ولیدة ابی ولد علی فراشہ، فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہو لک یا عبد بن زمعة ثم قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الولد للفراش وللعاہر الحجر، ثم قال لسودة بنت زمعة احتجبی منہ لما رای من شبہہ بعتبة بن ابی وقاص قالت فما راہا حتی لقی اللہ۔

— حضرت عائشہؓ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ عتبہ بن ابی وقاص نے اپنے بھائی سعد بن ابی وقاص کو یہ ذمہ داری سونپی کہ زمعہ کی لونڈی کا بیٹا مجھ سے ہے، تم اس کو اپنے قبضہ میں کر لینا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب مکہ فتح ہوا تو سعدؓ نے اس بچے کو لے لیا اور کہا کہ میرے بھائی کا بیٹا ہے۔ اس نے اس کے بارے میں مجھے ذمہ دار ٹھہرایا ہے۔ عبد بن زمعہؓ اٹھے اور کہا کہ یہ میرا بھائی ہے۔ میرے باپ کی لونڈی کا بیٹا ہے اور اس کے بستر پر پیدا ہوا ہے۔ دونوں مقدمہ لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گئے۔ سعد بن ابی وقاصؓ نے کہا کہ یا رسول اللہؐ یہ میرے بھائی کا بیٹا ہے، اس نے مجھے اس کی ذمہ داری سونپی ہے۔ عبد بن زمعہ نے کہا کہ یہ میرا بھائی ہے، میرے باپ کی لونڈی سے اس کے بستر پر پیدا ہوا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ تمہارا ہے اے عبد بن زمعہ۔ پھر آپ نے فرمایا کہ بیٹا اس کی طرف منسوب ہو گا جس کے بستر پر پیدا ہوا اور زانی کے لئے پتھر ہے۔

پھر آپؐ نے اپنی اہلیہ سودہ بنت زمعہ سے فرمایا کہ اس سے پردہ کرنا کیونکہ آپ نے اس لڑکے کے اندر عتبہ بن ابی وقاص کی مشابہت دیکھی۔ چنانچہ اس نے مرتے دم تک ان کو (حضرت سودہ بنت زمعہ کو) نہیں دیکھا۔

وضاحت :

میرے خیال میں اس روایت میں پہلی مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اصول بیان فرمایا کہ الولد للفراش وللعاہر الحجر کہ جس کے بستر پر بچہ پیدا ہوا ہے یعنی جس کی منسوبہ زوجہ سے پیدا ہوا ہے وہ اسی کا ہے۔ فیصلہ کن چیز یہی ہے اور زانی کے منہ پر پتھر، نامرادی اور خاک ہے۔ یعنی تعلقات اگر ناجائز رہے ہیں تو اس کے باعث نامرادی ہاتھ آئے گی۔ نسبت کا فیصلہ قیافہ سے نہیں کیا جائے گا۔ اگرچہ روایت کے حوالے سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ اصول پہلے سے معلوم و مروج تھا لیکن یہ پہلا موقع ہے کہ حضورؐ نے یہ اصول بیان فرمایا:

آنحضرتؐ کی زوجہ سودہ بنت زمعہ آپؐ کی ابتدائی ازواج میں سے تھیں اور یہ ان کے بھائی کا معاملہ تھا۔ آنحضرتؐ نے اس قضیہ کے بعد ان کو ہدایت کی کہ وہ اس بھائی سے پردہ کریں کیونکہ اس کی شکل و شباہت واقعی عتبہ بن ابی وقاص سے ملتی تھی۔ تاہم آپؐ نے فیصلہ قانون کے مطابق فرمایا۔

حدثنی مالک عن یزید بن عبداللہ بن الہادی عن محمد بن ابراہیم بن الحارث التیمی عن سلیمان بن یسار عن عبداللہ بن ابی امیة ان امراة ہلک عنہا زوجہا فاعتدت اربعة اشہر و عشرا ثم تزوجت حین حلت فمکثت عند زوجہا اربعة اشہر و نصف شہر، ثم ولدت ولدا تاما، وجاء زوجہا الی عمر بن الخطاب فذکر ذالک لہ فدعا عمر نسوة من نساء الجاہلیة قدماء فسالہن عن ذالک، فقالت امراة منہن انا اخبرک عن ہذہ المراة ہلک عنہا زوجہا حین حملت فاہریقت علیہ الدماء فحش ولدہا فی بطنہا، فلما اصابہا زوجہا الذی نکحہا واصاب الولد الماء تحرک الولد فی بطنہا وکبر، فصدقہا عمر بن الخطاب و فرق بینہما وقال عمر اما انہ لم یبلغنی عنکما الا خیر والحق الولد بالاول۔

— سلیمان بن یسار عبداللہ بن امیہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت کے شوہر کی وفات ہو گئی۔ جب عدت کے چار ماہ دس دن گزر گئے تو اس کے ہاں ایک پورا بچہ پیدا ہوا۔ اس کا شوہر حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ ماجرا سنایا۔ حضرت عمرؓ نے جاہلیت کے زمانہ کی بڑی بوڑھیوں کو بلایا اور ان سے پوچھا کہ یہ کیا قصہ ہے۔ تو ایک مائی نے کہا کہ میں بتاتی ہوں کہ اس عورت کا کیا معاملہ ہے۔ یہ حاملہ

تھی جب اس کا شوہر وفات پا گیا۔ بچے پر خون پڑتا رہا تو وہ پیٹ میں سوکھ گیا۔ پھر جب دوسرے شوہر سے ملاقات ہوئی تو بچے پر پانی پڑ گیا تو وہ حرکت میں آیا اور بڑا ہو گیا۔ حضرت عمرؓ نے مائی کی تصدیق کرتے ہوئے کہا کہ آپ نے بڑی مدد کی۔ پھر آپ نے اس عورت اور اس کے خاوند میں تفریق کر دی اور بچے کو پہلے خاوند کی اولاد قرار دیا۔

وضاحت :

اس طرح کا مسئلہ حل کرنے کے لئے حضرت عمرؓ موجودہ زمانے کی طرح کا کوئی میڈیکل بورڈ تو نہیں بٹھا سکتے تھے۔ یہی کر سکتے تھے کہ مائیوں وغیرہ سے مشورہ کریں کہ وہی ان معاملات کی خبر رکھتی تھیں۔ بچے کی پیدائش کی اقل مدت عام طور پر چھ ماہ مانی جاتی ہے۔ اس سے بھی کم مدت میں بچے کی ولادت کے بارے میں حضرت عمرؓ نے مائیوں کا مشورہ سن کر ان کا شکریہ ادا کیا کہ انہوں نے رہنمائی دی۔ اس کو راوی حضرات نے یہ سمجھا ہے کہ آپ نے ان کی رائے کی تصدیق کی۔ حالانکہ تصدیق کرنے کا سوال نہیں تھا۔ گفتگو کے نتیجے میں یہ بات آپ کی سمجھ میں آئی کہ حمل پہلے ہی شخص کا ہے۔ زمانہ عدت میں استبراء رحم کا مقصد حاصل نہ ہوا اور عورت نے دوسرا نکاح کر لیا۔ یہ رائے قائم ہو جانے پر حضرت عمرؓ نے وہ فیصلہ کیا جو مہذب دنیا کا اخلاق ہے۔ آپ نے عورت کو طلاق دلوا دی اور بچہ اس کے پہلے شوہر سے منسوب کر دیا۔

حدثنی مالک عن یحیی بن سعید عن سلیمان بن یسار ان عمر بن الخطاب کان یلیط اولاد الجاهلیة بمن ادعاهم فی الاسلام، فاتی رجلان کلاهما یدعی ولد امراة فدعا عمر بن الخطاب قائفا فنظر الیهما فقال القائف لقد اشترکا فیه فضربه عمر بن الخطاب بالدرة، ثم دعا المراة، فقال اخبرینی خبرک، فقالت کان هذا لاحد الرجلین یاتینی وهی فی ابل لاهلها فلا یفارقها حتی یظن وتظن انه قد استمر بها حبل ثم انصرف عنها فاهریقت علیه دماء ثم خلف علیها هذا تعنی الآخر فلا ادری من ایهما هو. قال فکبر القائف، فقال عمر للغلام وال ایهما شئت۔

... سلیمان بن یسار روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ جاہلیت کی اولاد کو ان سے منسوب کر دیتے جو اسلام میں ان کے مدعی ہوتے تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ دو آدمی آئے۔ وہ دونوں ایک عورت کے بیٹے کے مدعی تھے۔ حضرت عمرؓ نے ایک قیافہ شناس کو بلایا۔ اس نے دونوں کو دیکھا تو قیافہ لگایا کہ اس میں دونوں شخص شریک ہیں۔ حضرت عمرؓ نے اس پر اپنا درہ اٹھایا۔ پھر عورت کو بلایا اور کہا کہ بی بی ٹھیک ٹھیک بتا کہ واقعہ کیا ہے۔ اس نے کہا کہ بچہ ان دونوں مردوں میں سے کسی ایک کا ہے۔ یہ آدمی میرے

پاس آتا تھا جب میں اس گھر کے اونٹ چراتی تھی۔ یہ اس وقت تک میری جان نہیں چھوڑتا تھا جب تک یہ گمان نہ کر لے اور میں بھی گمان نہ کر لوں کہ حمل ہو گیا۔ پھر وہ چلا گیا اور بچے کے اوپر خون جاری رہا۔ پھر یہ دوسرا شخص آ گیا۔ اب میں نہیں جانتی کہ ان میں سے بچہ کس کا ہے۔ اس پر قیافہ شناس نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ حضرت عمرؓ نے لڑکے سے کہا کہ تم جس کے چاہو بیٹے بن جاؤ۔

وضاحت :

زمانہ جاہلیت میں لونڈیوں کی کوئی عزت و ناموس نہ تھی۔ وہ ایک سے دوسرے شخص کو فروخت ہوتی تھیں اور وہ ان سے جنسی تعلق قائم کر لیتے تھے۔ جب بچہ پیدا ہوتا تو اس کے حسب کے بارے میں قضیہ پیدا ہو جاتا۔

حضرت عمرؓ نے فیصلہ کرنے کے لئے اگرچہ قیافہ شناس کو بلایا لیکن فیصلہ اس کی رائے پر نہیں کیا۔ بلکہ لڑکے کے اوپر چھوڑ دیا کہ بالغ ہو کر جس کے ساتھ چاہے اپنا حسب جوڑ لے۔ بعض معاملات میں جدید قانون میں بچے کو بلوغت کے بعد خود فیصلہ کرنے کو کہا جاتا ہے۔ احناف کا مسلک یہ ہے کہ وہ قیافے کو نہیں مانتے۔ ان روایات سے بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت عمرؓ نے قیافے کو کوئی اہمیت دی ہو بلکہ آپ نے حالات کے مطابق فیصلہ کیا۔ میرے نزدیک بھی قیافہ کوئی چیز نہیں ہے۔

حدثنی مالک انه بلغه ان عمر بن الخطاب او عثمان بن عفان قضی احدهما فی امراة غرت رجلا بنفسها وذکرت انها حرة فتزوجها فولدت له اولادا، فقضی ان یفدی ولده بمثلهم، قال یحیی سمعت مالکا یقول: والقیمة اعدل فی هذا ان شاء الله۔

... امام مالک کو یہ بات پہنچی کہ حضرت عمرؓ یا حضرت عثمانؓ دونوں میں سے ایک نے ایک ایسی عورت کے بارے میں فیصلہ دیا جس نے ایک شخص کو یہ دھوکہ دیا تھا کہ وہ آزاد ہے۔ تو اس شخص نے اس سے نکاح کر لیا اور اس کے اولاد بھی ہوئی۔ فیصلہ یہ کیا گیا کہ وہ اولاد کا فدیہ دے گا انہی کے مانند۔ امام مالک کہتے ہیں کہ قیمت زیادہ قرین انصاف ہے۔

وضاحت :

یہ روایت میری سمجھ میں نہیں آئی۔ جب آدمی آزاد ہے تو اولاد بھی آزاد ہوگی۔ فدیے یا قیمت کا کیا سوال؟ میرے خیال میں راوی نے معاملہ کو سمجھا نہیں۔

(ترتیب : سعید احمد)

خالد مسعود

مشرکین اور یہود مدینہ سے فیصلہ کن جنگ

غزوہ بنی نضیر

غزوہ احد کے ظاہری نتائج سے اسلام کے دشمنوں کو اس بات کا حوصلہ ملا کہ وہ مسلمانوں کو ناقابل تسخیر نہ سمجھیں، اپنی قوت مجتمع کریں اور بہتر منصوبہ بندی کرکے اسلام کی بیخ کنی کا اقدام کریں۔ مدینہ کے یہودی قبائل اگرچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معاہدہ کئے ہوئے تھے کہ وہ مدینہ پر حملہ آور ہونے والوں کے خلاف مسلمانوں کے شانہ بشانہ صف بستہ ہو کر شہر کا دفاع کریں گے لیکن جنگ احد میں انہوں نے عملاً ایسا کرنے سے گریز کیا بلکہ درپردہ اس جنگ کی آگ انہی کی بھڑکائی ہوئی تھی۔ یہودی قبیلہ بنو نضیر کے سردار کعب بن الاشرف کا قتل اسی بنا پر ہوا تھا کہ اسلام اور پیغمبر اسلام کے ساتھ اس کی عداوت ڈھکی چھپی نہ تھی اور اس نے قریش کی جنگی منصوبہ بندی میں اہم حصہ ادا کیا تھا۔ جنگ احد کے نتائج نے بنو نضیر کو بھی جری کر دیا۔ انہوں نے کئی شکلوں میں معاہدہ کی خلاف ورزی کی۔ بالآخر جنگ احد کے چھ ماہ بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قبیلہ کی سرکوبی کا فیصلہ کر لیا۔

بنو نضیر کی جلاوطنی کے اسباب:

جنگ احد کے چند ہفتے بعد بنو نضیر کے حلیف قبیلہ بنو عامر بن صعصعہ کے ایک سردار ابو براء عامر بن مالک نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ملاقات کی۔ آپ نے اس کو اسلام کی دعوت دی تو اس نے مبلغین کی ایک جماعت بنو عامر میں اسلام کی تبلیغ کے لئے ساتھ بھیجنے کی درخواست کی۔ اس نے یقین دلایا کہ قبیلہ اس تبلیغ سے متاثر ہو گا اور مبلغین کی حفاظت کا وہ خود ذمہ اٹھائے گا۔ حضورؐ نے دین جاننے والے اصحاب کی ایک جماعت اس کے ساتھ کر دی۔ جب وہ اپنے علاقے میں پہنچا تو قبیلہ کے ایک دوسرے سردار نے ۲ آدمیوں کے سوا پوری جماعت کو بئر معونہ کے مقام پر تہ تیغ کر دیا اور ابو براء ان

کے تحفظ کے لئے کچھ نہ کر سکا۔ بچ رہنے والوں میں سے ایک صحابی عمرو بن امیہ الضمری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع کرنے کے لئے مدینہ کو روانہ ہوئے۔ راستے میں ان کو بنو عامر کے دو آدمی ملے تو عمرو نے مسلمان مقتولین کے انتقام میں ان کو قتل کر دیا۔ حقیقت میں یہ دونوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جان کی امان حاصل کر چکے تھے۔ اس لئے جب عمرو نے مدینہ پہنچ کر روداد بیان کی تو حضور آزردہ خاطر ہوئے اور دو عامریوں کی دیت ادا کرنے کا فیصلہ کیا۔

سیرت نگاروں نے عامریوں کی دیت کے اس مسئلہ کو بنو نضیر کے ساتھ جنگ کا فوری سبب بتایا ہے۔ یہود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے معاہدوں کی رو سے عامریوں کی دیت میں اپنا حصہ ادا کرنے کے ذمہ دار تھے۔ اس لئے دیت کی ادائیگی پر بنو نضیر کو آمادہ کرنے کے لئے حضورؐ چند اکابر صحابہ کے ہمراہ ان کی بستی میں گئے اور لیڈروں کے سامنے اپنا مطالبہ رکھا۔ انہوں نے دیت کی ادائیگی کی ہامی بھر لی اور آپ کو اور آپ کے صحابہ کو ایک دیوار کے سایہ میں انتظار کرنے کو کہا۔ اسی دوران انہوں نے آنحضرتؐ کو قتل کرنے کی اسکیم بنا لی لیکن اللہ تعالیٰ نے یہود کی سازش پر آپ کو مطلع کر دیا۔ چنانچہ آپ فی الفور مدینہ واپس تشریف لے گئے۔ آپ اتنی جلدی میں تھے کہ آپ نے اپنے ساتھیوں کو بھی اعتماد میں نہیں لیا چنانچہ وہ کافی انتظار کے بعد خود ہی آپ کی تلاش میں مدینہ پہنچے۔ آنحضرتؐ نے محمد بن مسلمہ انصاری کے ذریعے بنو نضیر کو ان کی سازش کے باعث مدینہ کا علاقہ خالی کرنے کا حکم بھیجا۔ انہوں نے سر تسلیم خم کرتے ہوئے اپنا سامان سمیٹنا شروع کر دیا لیکن مدینہ کے منافقین نے ان کی پیٹھ ٹھونکی اور مقابلہ کا مشورہ دیا۔ چنانچہ یہود اپنے قلعوں میں داخل ہو گئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا محاصرہ کر لیا۔ تین ہفتے کے بعد انہوں نے اس شرط پر مدینہ چھوڑنے کی پیشکش کی کہ وہ اپنا مال و اسباب ساتھ لے جا سکیں۔ ان کی یہ پیشکش تسلیم کر لی گئی اور وہ اپنا مال و اسباب اونٹوں پر لاد کر خیبر کو چلے گئے۔

غزوہ بنی نضیر کی مشہور روایت یہی ہے لیکن اس میں کئی باتیں محل نظر ہیں:

۱۔ عامریوں کی دیت ادا کرنے سے جب بنو نضیر نے اتفاق کر لیا اور بظاہر اس کے انتظام میں مصروف ہو گئے تو یہ مسئلہ نزاعی نہیں رہ گیا تھا۔ اس لئے اس کو کسی جنگ کا سبب قرار دینا ایک غیر معقول سی بات ہے۔ بالفرض یہود نے دیت کی ادائیگی سے معذوری بھی ظاہر کر دی ہوتی تو اس مسئلہ کو پورے قبیلہ کے ساتھ جنگ کا عنوان نہیں بنایا جا سکتا تھا۔ حضورؐ نے تو جنگ سے گریز کی خاطر قریش کو بھی نخلہ کے مقتولین کی دیت ادا کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ یہود کے معاملہ میں کیا آپ ایسا نہیں کر سکتے تھے۔

۲۔ جب آنحضرتؐ کو یہود کی سازش سے آگاہی حاصل ہو چکی تھی تو آپ نے اس سے اپنے صحابہ کو

کیوں مطلع نہ فرمایا۔ ان کو قتل کے خطرے میں چھوڑ کر بلا اطلاع مدینہ چلے آنا آپ کے معروف کردار کے منافی ہے۔ آپ نے تو جنگ احد کے اس مرحلہ میں بھی استقامت دکھائی جب آپ کے بہت سے ساتھی میدان چھوڑ گئے۔ پھر اپنے جانبازوں کو لئے ہوئے آپ کوہ احد کے اوپر ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں دشمن ان کو کوئی گزند نہیں پہنچا سکتا تھا۔

۳۔ انتہائی مخدوش حالات میں آنحضرتؐ کا تنہا مدینہ روانہ ہونا کسی طرح قرین مصلحت نہیں تھا۔ اس طرح آپ اس سازش کی تکمیل کا موقع خود فراہم کر رہے تھے جس سے بچنے کے لئے آپ بنو نضیر کی بستی سے نکلے تھے۔

۴۔ بنو نضیر کا قبیلہ ایک طاقتور قبیلہ تھا جو برابر دشمنی کا اظہار کر رہا تھا۔ آنحضرتؐ کا پیغام ملنے پر ان کا سامان سمیٹنے لگ جانا اور بے چون وچرا مدینہ چھوڑنے پر تیار ہو جانا ایک بالکل غیر فطری رد عمل ہے۔ فطری رد عمل یہ ہوتا کہ وہ اس حکم پر احتجاج کرتے یا گفت و شنید کا ڈول ڈالتے یا اس کا انکار کرتے ہوئے مقابلہ کا اعلان کرتے۔

ہمارے نزدیک غزوہ بنی نضیر کے اسباب بیان کرنے میں سیرت نگاروں سے ضرور تسامح ہوا ہے۔ قرآن مجید میں ان کا واقعہ پڑھیئے تو صورتحال بالکل مختلف نظر آتی ہے۔ وہاں فرمایا ہے۔

ولولا ان کتب اللہ علیھم الجلاء لعذبھم فی الدنیا ولھم فی الاخرۃ عذاب النار ذالک بانھم شاقوا اللہ ورسولہ ومن یشاق اللہ فان اللہ شدید العقاب۔ (الحشر ۳،۴)

(اور اگر اللہ نے ان کے لئے جلاوطنی نہ مقدر کر رکھی ہوتی تو ان کو دنیا میں عذاب دیتا اور ان کے لئے آخرت میں دوزخ کا عذاب ہے۔ یہ اس جرم میں کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کا مقابلہ کرنے کی کوشش کی اور جو اللہ کا مقابلہ کرتے ہیں تو اللہ سخت پاداش والا ہے)۔

اس آیت کی رو سے بنو نضیر پر جو گرفت ہوئی اور اس کے نتیجہ میں انہیں جلاوطن ہونا پڑا اس کا سبب اللہ و رسول کے ساتھ مشاقہ تھا۔ مشاقہ کا لفظ مخالفت اور کھلی دشمنی کے لئے آتا ہے۔ گویا بنو نضیر۔ یہود کا وہ قبیلہ تھا جس کو اللہ کے دین کے ساتھ اور اللہ کے رسول کے ساتھ شدید عداوت تھی اور ان کا یہ رویہ ڈھکا چھپا نہ تھا۔ قرآن مجید نے تمام مشرکین عرب میں سے صرف قریش کے رویہ کو مشاقہ سے تعبیر کیا ہے۔ جنگ بدر میں ان کی بے چارگی اور بدانجامی کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا۔

ذلک بانھم شاقوا اللہ و رسولہ ومن یشاقق اللہ و رسولہ فان اللہ شدید العقاب (انفال ۱۳)

(یہ اس سبب سے کہ یہ اللہ اور اس کے رسول کے مقابلہ کو اٹھے ہیں اور جو اللہ اور اس کے رسول کے مقابلہ کو اٹھتے ہیں تو اللہ ان کے لئے سخت پاداش والا ہے)۔

سورہ حشر اور سورہ انفال کی آیات کا تیور اور ان کے الفاظ ایک جیسے ہیں۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا

ہے کہ اللہ اور رسول سے دشمنی کے معاملہ میں جو پوزیشن دوسرے کفار میں قریش کی تھی قبائل۔ یہود میں وہی پوزیشن بنو نضیر کی تھی۔ اس لئے یہ دونوں اللہ کے غضب کے مستحق ٹھہرے۔ جنگ بدر میں قریش کے اکابر تہ تیغ ہوگئے اور ان کی سیادت کا جنازہ نکل گیا۔ بنو نضیر کو اپنے ہم چشموں کے سامنے انتہائی ذلت کے ساتھ اپنے مرکز سیادت سے دستبردار ہو کر یثرب کے علاقہ کو خالی کر دینا پڑا۔

قرآن مجید کی یہ بات ایسی نہیں ہے جس کے ثبوت سے تاریخ بالکل تہی دامن ہو۔ مثلاً

۱۔ بنو نضیر کو دوسرے۔ یہودی قبائل پر تفوق حاصل تھا چنانچہ کسی دوسرے۔ یہودی قبیلہ کا کوئی آدمی اگر بنو نضیر کے ہاتھوں قتل ہو جاتا تو یہ اپنے مقابل میں ان کو نصف دیت ادا کرتے۔

۲۔ جلاوطنی کے بعد جب یہ خیبر پہنچے تو وہاں کے۔ یہود نے ان کو سر آنکھوں پر بٹھایا اور سرداری کا منصب ان کے حوالہ کر دیا۔

۳۔ مسلمانوں کے خلاف مشرکین اور۔ یہود کو بھڑکانے اور صف آرا کرنے میں ان کی تگ و دو راز دارانہ نہیں تھی۔ جنگ احد کی منصوبہ بندی میں کعب بن الاشرف اور دوسرے نضری سرداروں نے کوئی کسر نہیں اٹھار کھی تھی۔

۴ جلاوطنی کے بعد جنگ احزاب کو منظم کرنے میں بنو نضیر کا کردار کلیدی تھا جس کی تفصیل آگے آئے گی۔

ان شواہد کی بناء پر بنو نضیر کے خلاف جو اقدام ہوا اس کا اصل سبب ان کی کھلی عداوت تھی۔ باقی رہے اس کے فوری اسباب تو وہ حسب ذیل ہو سکتے ہیں۔

اولاً بعض روایات اس بات پر شاہد ہیں کہ۔ یہود کی وعدہ خلافیوں کے باعث جنگ احد کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو نضیر اور بنو قریظہ دونوں۔ یہودی قبائل سے سابقہ معاہدہ کی تجدید کا مطالبہ کیا۔ بنو قریظہ نے تجدید کر دی لیکن بنو نضیر نے انکار کر دیا جو اس بات کی دلیل تھا کہ اب وہ حلیفانہ معاہدہ سے نکل رہے ہیں۔

ثانیاً ہو سکتا ہے کہ بنو نضیر نے کعب بن الاشرف کے قتل کا انتقام لینے کی غرض سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر قاتلانہ حملہ کی کوئی سازش تیار کی ہو۔ چونکہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کی حفاظت فرماتا ہے اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہود کی سازش سے بچ نکلے ہوں۔ اس طرح ان کی معاندانہ کارروائی پر کوئی اقدام ضروری ہو گیا ہو۔

ثالثاً ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اس بات کا احتمال ظاہر کیا ہے کہ بنو نضیر بنو عامر کے حلیف ہونے کے باعث اس ذمہ داری میں شریک بنتے تھے جو بئر معونہ کے حادثہ کے نتیجہ میں بنو عامر پر پڑتی تھی۔ آنحضرتؐ نے معاملہ کو رفع دفع کرنے کے لئے یہ چاہا ہو گا کہ مسلمان عمرو بن امیہ کے ہاتھوں قتل

ہونے والے دو عامریوں کا خونبہا ادا کریں اور بنو عامر شہدائے بئر معونہ کا۔ چونکہ بنو نضیر فریقین کے حلیف ہونے کے باعث گفت و شنید میں مابین کا کام کرنے کے لئے موزوں تھے اس لئے حضور ان کی بستی میں تشریف لے گئے ہوں لیکن انہوں نے نہ صرف ٹال مٹول سے کام لیا ہو بلکہ حضورؐ کے قتل کی سازش کی ہو۔ (رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی۔ ص ۲۵۹۔ ۲۶۰)

ہمارے نزدیک بنو نضیر کی اسلام دشمنی سے یہ بات ہرگز بعید نہیں کہ بئر معونہ کے حادثہ میں بنو عامر ان کے آلہ کار بنے ہوں۔ یہود ہمیشہ سے سازش کے بڑے ماہر رہے ہیں اور بالعموم دوسروں کے ذریعہ اپنا کام نکالتے ہیں۔ لہٰذا عین ممکن ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دو عامریوں کی دیت میں حصہ وصول کرنے ان کے ہاں نہ گئے ہوں بلکہ ان متعدد صحابہ کے قصاص کا مطالبہ لے کر گئے ہوں جن کو بنو نضیر کے حلیفوں نے شہید کر دیا تھا۔ اس کے جواب میں یہود نے جو رویہ اختیار کیا ہو اس نے ان کے خلاف اقدام کا جواز پیدا کر دیا ہو۔

بنو نضیر کے خلاف کاروائی:

یہود کے خلاف کارروائی کا فوری سبب جو بھی رہا، روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے محمد بن مسلمہ انصاری کے ذریعے یہ پیغام بھیجا کہ چونکہ وہ معاہدہ امن سے نکل گئے ہیں لہٰذا ان کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ از خود مدینہ کے نواح سے نکل جائیں۔ بنو نضیر کے لئے یہ نوٹس ایک بلائے ناگہانی تھا جس کی انہیں کوئی توقع نہ تھی۔ یوں بھی وہ اپنے آپ کو کافی مضبوط خیال کرتے تھے۔ انہیں اپنے قلعوں اور گڑھیوں پر بڑا ناز تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ وہ قلعہ بند ہو کر اپنا دفاع بخوبی کر لیں گے۔ اور محاصرہ کتنا ہی طویل کیوں نہ ہو ان کے بے پناہ وسائل انہیں کسی مشکل سے دوچار نہیں ہونے دیں گے۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ خود مسلمانوں کی صفوں میں ان کے بہی خواہ موجود ہیں جنہوں نے پہلے بنو قینقاع کے حق میں سفارش کی اور پھر جنگ احد میں۔ یہود کی ہدایات کے تحت وہ لشکر اسلام سے عین جنگ سے پہلے جدا ہو کر مسلمانوں کے حوصلہ کو پست کرنے کا باعث بنے تھے۔ انہیں توقع تھی کہ وہ ان کے مقاصد کے لئے بھی کام کریں گے۔ مزید برآں بنو نضیر کے ہم مذہب قبیلہ بنو قریظہ کی بستی بنو نضیر کے جوار ہی میں تھی۔ وقت آنے پر وہ ان کی حمایت کی امید رکھتے تھے۔ روایات کے مطابق عبداللہ بن ابی کی طرف سے ان کو حمایت کے کچھ اشارے بھی ملے جن کی بناء پر ان کا خیال یہی ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے خلاف کوئی مؤثر کارروائی نہیں کر پائیں گے۔ ان اسباب کی بناء پر بنو نضیر ربیع الاول ۴ ھ میں قلعہ بند ہو گئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی افواج نے ان کی بستیوں کا محاصرہ کر لیا۔ آنحضرتؐ نے ان کے دیار کے چاروں جانب تمام کلیدی مقامات کی ناکہ بندی کر لی۔ نگران چوکیاں

قائم کیں تاکہ بنو نضیر بنو قریظہ یا منافقین کے ساتھ کوئی رابطہ نہ کر سکیں۔ خود آپ نے اپنا کیمپ بنو نضیر اور بنو قریظہ کی بستیوں کے عین وسط میں لگایا۔ یہ جگہ کھجوروں کے باغات سے گھری ہوئی تھی۔ آنحضرتؐ نے دشمن کے محاذ پر نظر رکھنے کے لئے رکاوٹ بننے والے درختوں کو کاٹنے اور جلانے کا حکم دیا۔ یہ درخت بنو نضیر کی دولت مندی کا اہم ذریعہ تھے۔ اپنے وسائل کا یہ حشر دیکھ کر ان کے دلوں کو سخت ٹھیس لگی۔

اسلامی لشکر کے لئے یہ مہم بے حد آسان تھی۔ وہ اپنے گھروں سے دو تین میل دور گویا اپنے گھروں ہی میں مقیم تھے۔ رسد ان کے لئے کوئی مسئلہ نہ تھی۔ منافقین اور بنو قریظہ کے لئے بنو نضیر کو کوئی امداد پہنچانا انہوں نے ناممکن بنا دیا تھا۔ قریش کی طرف سے کسی اقدام کا کوئی خطرہ نہ تھا۔ ہر گزرنے والا دن بنو نضیر کی قلعہ بندی کی مصیبتوں میں اضافہ کا باعث بننے لگا۔ قلعوں کے مضبوط ہونے کے باوجود پیش آمدہ صورت حال میں ان کا ناخن تدبیر کوئی عقدہ حل نہ کر سکا۔ اب مسلمانوں کی ماضی کی فتوحات کی روشنی میں ان کو اپنا مستقبل تاریک نظر آنے لگا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں مسلمانوں کی دہشت ڈال دی اور دہشت وہ چیز ہے جو بڑے بڑوں کا پتہ پانی کر دیتی ہے۔ اس میں اوسان خطا ہو جاتے ہیں، حوصلہ ساتھ چھوڑ جاتا ہے۔ جنگ بدر میں اسی مرعوبیت اور دہشت زدگی نے قریش کے اکابر کو مسلمانوں کے لئے تر نوالہ بنا دیا تھا اور اب اس نے بنو نضیر کو اسی کیفیت سے دوچار کر دیا۔ انہوں نے مصالحت میں عافیت سمجھی۔ تقریباً تین ہفتے قلعہ بند رہنے کے بعد انہوں نے جلاوطنی قبول کر لی بشرطیکہ ان کو تمام سر و سامان ساتھ لے جانے دیا جائے۔ آنحضرتؐ نے ان کے ساتھ کریمانہ معاملہ کیا اور حکم دیا کہ وہ مدینہ کے علاقہ سے نکل جائیں، وہ اسلحہ ساتھ نہیں لے جا سکیں گے۔ باقی ہر قسم کا سامان جو وہ اونٹوں پر لاد کر لے جا سکتے ہوں لے جائیں۔ اس کے علاوہ اموال و املاک پر ان کا کوئی دعویٰ نہیں ہو گا اور ان کا سردار حیی بن اخطب آئندہ مسلمانوں کے خلاف کسی جنگ کی آگ نہیں بھڑکائے گا۔ یہود کی مال و اسباب کے ساتھ محبت ضرب المثل ہے۔ انہوں نے زیادہ سے زیادہ اسباب ساتھ لے جانے کی طمع میں اپنے گھروں کی بھی توڑ پھوڑ شروع کر لی تاکہ ان میں استعمال شدہ لکڑی تک بھی ساتھ لے جائیں۔ اس کام کے لئے انہوں نے مسلمانوں سے بھی تعاون حاصل کیا اور دنیا نے یہ عبرت انگیز منظر دیکھا کہ یہود نے وہ مکانات جو بڑی تمناؤں اور شوق سے بنوائے تھے خود اپنے ہاتھوں اور مسلمانوں کے ہاتھوں اجاڑے۔ اس تمام صورتحال کا تذکرہ قرآن مجید نے ان الفاظ میں کیا ہے:

ما ظننتم ان یخرجوا وظنوا انهم مانعتهم حصونهم من الله فاتٰهم الله من حیث لم یحتسبوا وقذف فی قلوبهم الرعب یخربون بیوتهم بایدیهم وایدی المؤمنین فاعتبروا یا اولی الابصار ۔ (الحشر ۲)

(تمہارا گمان نہ تھا کہ وہ کبھی اپنے گھروں سے نکلیں گے اور ان کا گھمنڈ یہ تھا کہ ان کے قلعے ان کو اللہ کی پکڑ سے بچائے رکھیں گے تو اللہ کا قہر ان پر وہاں سے آدھمکا جہاں سے ان کو گمان بھی نہیں ہوا اور اس نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔ وہ اپنے گھروں کو اجاڑ رہے تھے خود اپنے ہاتھوں سے بھی اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے بھی۔ پس عبرت حاصل کرو اے آنکھیں رکھنے والو!)

روایات میں آتا ہے کہ بنو نضیر بڑے طمطراق سے مدینہ سے روانہ ہوئے۔ ان کے نکلنے پر ایک جشن کا گمان ہوتا تھا۔ حقیقت میں یہ فتحمندی کا جذبہ نہ تھا کیونکہ اس کا کوئی موقع نہ تھا، بلکہ یہ مرعوبیت اور اپنی ذلت پر پردہ ڈالنے کی ایک ناکام تدبیر تھی۔ اس طرح وہ اپنی شکست کا غم غلط کر رہے تھے اور دنیا کو یہ تاثر دینا چاہتے تھے کہ اس کارروائی سے گویا ان کا کچھ نہیں بگڑا حالانکہ جو بستیاں، شاندار مکانات، مضبوط قلعے، زرخیز زمینیں، ثمر آور باغات اور اپنی سیادت کا مرکز وہ چھوڑ کر جا رہے تھے اس کا تلف محض اظہار شوکت اور طمطراق سے دور نہیں کیا جا سکتا تھا۔ یہ اب ہمیشہ کے لئے ان کے دل کا روگ بن چکا تھا۔

بنو نضیر کا قافلہ جب مدینہ سے اسی میل دور، یہود کی آبادی خیبر میں پہنچا تو وہاں کے یہود نے نضری علماء کو سر آنکھوں پر بٹھایا اور ان کا اپنا سردار مان لیا۔ اہل مدینہ ان کو اپنے ہاں سے نکال کر مدینہ کے پڑوس میں سازش و عداوت کے ایک بڑے اڈے کو اکھاڑنے میں کامیاب ہوئے۔ اب بنو نضیر کے مار آستین ہونے کا خطرہ ٹل گیا۔

غزوہ احزاب

خیبر میں قیام کی ابتدائی مشکلات پر قابو پاتے ہی نضری سردار اسلام کے خلاف نئی سازش تیار کرنے میں مصروف ہو گئے۔ حیی بن اخطب نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے اس معاہدے کو پس پشت ڈالا کہ وہ آئندہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کی آگ نہیں بھڑکائے گا۔ اس نے دوسرے نضری اکابر ___ سلام بن ابی الحقیق، کنانہ بن ربیع، سلام بن مشکم وغیرہ کو ساتھ لیا اور مکہ میں قریش کے پاس جا پہنچا۔ اس نے ان کو بتایا کہ اب یہود اور مشرکین مکہ کا ہدف ایک ہو چکا ہے۔ مسلمانوں کا مقابلہ اگر مختلف گروہ الگ الگ رہ کر کریں گے تو شکست کھائیں گے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ان کی مخالف تمام قوتیں مجتمع کر لی جائیں اور وہ سب مل کر مدینہ پر حملہ آور ہوں تاکہ ہمیشہ کے لئے اس خطرہ کا قلع

قمع کیا جا سکے۔ یہودیوں نے اس حکمت عملی پر عمل درآمد کے لئے اپنے ہر تعاون کی پیش کش کی۔ قریش کو یہ مشورہ پسند آیا اور طے پایا کہ فریقین اپنے اپنے دائرہ اثر میں قبائل کو جنگ پر آمادہ کریں گے اور اس جنگ میں پورے جزیرہ عرب کو شریک کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

اس منصوبہ کے تحت قریش نے ہوازن، بنو مصطلق، بنو سلیم اور احابیش کو جنگ میں شرکت کے لئے تیار کیا اور یہود نے بنو غطفان کو خیبر کی کھجوروں کی کچھ مقدار کا لالچ دے کر آمادہ کیا۔ وہ اپنے حلیفوں بنو اسد اور بنو سعد کو ساتھ ملانے میں کامیاب ہو گئے۔ اس کے علاوہ مزید کئی مشرک قبائل مثلاً بنو اشجع، بنو مرہ اور بنو فزارہ بھی مذہبی تحفظ کی اس جنگ میں شرکت پر آمادہ ہو گئے۔ خود یہود نے انتقام کی غرض سے شریک جنگ ہونے کا فیصلہ کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہود اور قریش کی ملی بھگت سے غافل نہیں تھے۔ آپ نے ان قبائل پر محدود پیمانے کی فوج کشی بھی کی جن کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ متحدہ محاذ میں شامل ہو رہے ہیں۔ اس فوج کشی کا مقصد ان کے حالات سے واقفیت حاصل کرنا اور ان کو مرعوب کرنا تھا۔

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی کہ جنگ کا منصوبہ تیار ہو چکا ہے تو آپ نے صحابہ کرام سے مشورہ طلب کیا۔ آپ نے ان کو بتایا کہ سارا عرب ہمارے دین کے استیصال کے لئے کمربستہ ہو چکا ہے۔ ان کی مجموعی قوت کے مقابل میں ہمارے وسائل بہت کم ہیں۔ عنقریب ان کا حملہ متوقع ہے۔ مدینہ کے دفاع کی کیا صورت اختیار کی جائے۔ جنگ احد کے تجربہ کی روشنی میں بحث و تمحیص کے بعد یہ طے پایا کہ ایک لشکر جرار کے ساتھ کھلے میدان میں مقابلہ مشکل ہو گا۔ لہٰذا شہر کے اندر محصور ہو کر اپنا دفاع کرنا زیادہ مناسب ہو گا۔ اس مرحلہ پر ایک صحابی سلمان فارسیؓ نے رائے دی کہ دشمن کی تعداد بہت زیادہ ہونے کی صورت میں شہر کے اندر محصور ہونا کافی نہیں ہوتا۔ ایسی صورت حال میں ہمارے دیار میں شہر کے گرداگرد خندق کھود لی جاتی ہے جس کو عبور کرنا دشمن کے لئے مشکل ہوتا ہے۔ لہٰذا بہتر ہو گا کہ مدینہ کے گرد بھی ایک خندق کھود لی جائے۔ سلمان فارسیؓ کا یہ مشورہ پسند کیا گیا۔ اس کو عملی جامہ پہنانے کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اکابر صحابہؓ نے شہر کے گرد و نواح کا جائزہ لے کر خندق کے مقام کا تعین کیا۔ یہ طے ہوا کہ فن حرب کے لحاظ سے دشمن کا حملہ شمال اور مغرب کی جانب سے ممکن ہے۔ دوسری اطراف مضبوط مکانات، باغات اور سنگلاخ زمین کے باعث حملہ کے لئے موزوں نہیں ہیں۔ لہٰذا خندق شمال اور مغرب کی جانب بنائی جائے۔ روایات کے مطابق خندق کی کل لمبائی ساڑھے تین میل، چوڑائی پندرہ فٹ اور گہرائی آٹھ فٹ تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کھدائی کے لئے قطعات زمین مسلمانوں پر تقسیم کر دیئے تھے اور یہ کام بیس دن میں ختم ہوا۔ اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود بنفس نفیس شریک ہوئے۔ آپ رجزیہ اشعار پڑھتے اور مسلمانوں کو جوش دلاتے۔ آپ نے ان کو بشارت دی

کہ ان کی قربانیوں کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ ان کو ایسی کامیابی عطا فرمائے گا کہ عرب کے علاوہ یمن، فارس اور روم کے علاقے ان کے زیر نگیں ہو جائیں گے۔

شوال ۵ ھ میں جونہی خندق کی کھدائی کا کام تکمیل کو پہنچا دشمن افق پر نمودار ہو گیا۔ آنحضرتؐ نے فوری طور پر خندق کے مختلف حصوں پر مسلمانوں کی مختلف جماعتوں کو تعینات کیا، شہر کے مضبوط مکانات میں خواتین اور بچوں کو جمع کر دیا، جنگی اہمیت کے مقامات پر خاص طور پر مضبوط جماعتیں مقرر کیں، بنو قریظہ کے یہودی قبیلہ پر نگاہ رکھنے کے لئے دو سو آدمی تعینات کئے اور اپنا مرکز مدینہ کے نواحی پہاڑ جبل سلع پر قائم کیا تاکہ پورا میدان جنگ نظر میں رہے۔ قرآن مجید سے یہ اشارہ نکلتا ہے کہ آنحضرتؐ نے اہل ایمان سے اس مرحلہ میں خاص عہد لیا کہ وہ میدان سے پیٹھ نہیں پھیریں گے اور دشمن کا مقابلہ ثابت قدمی سے کریں گے۔

کوہ احد اور ذوالحلیفہ کے نشیبی اور بالائی علاقوں کی جانب سے دشمن کی مختلف ٹکڑیاں، جن کو قرآن نے احزاب (یعنی مختلف جماعتوں) کا نام دیا ہے، کچھ ایسی آن بان کے ساتھ اور اس طرح پے در پے وارد ہوئیں کہ یہ تاثر ابھرتا تھا جیسے پورا عرب اڈا چلا آرہا ہے۔ ان کی تعداد، جو دس ہزار سے متجاوز بیان کی گئی ہے، اور جنگی سرو سامان ہوش اڑا دینے کے لئے کافی تھا۔ مسلمان کوہ احد اور مدینہ کے درمیان جنگ بازوں کے اس سمندر کو دیکھتے تو کلیجہ منہ کو آتا۔ کمزور مسلمانوں کے دلوں میں طرح طرح کے اندیشے راہ پانے لگے۔ ان کو معاملہ کی سنگینی کا احساس ہوا تو ہمت اور حوصلہ جواب دینے لگا۔ البتہ سچے مومنین نے استقامت دکھائی۔ ان کو یقین تھا کہ جس خدا نے ان کے لئے اتنا مشکل امتحان مقرر فرمایا ہے وہی اس سے عہدہ برآ ہونے کے اسباب بھی فراہم کرے گا۔ انہیں اللہ اور رسول کے وعدوں پر اعتماد تھا۔ انہیں یقین تھا کہ نصرت خداوندی حاصل ہوگی اور دشمن نامراد ہوگا۔ لہٰذا ان کا عزم تھا کہ ہم رسول اللہؐ کی اطاعت کریں گے اور پوری جانفشانی کے ساتھ حالات کا مقابلہ کریں گے۔ تاہم سارے عرب کی طاقت کے بالمقابل کھڑا ہونا ایک ایسی آزمائش تھی جس میں مسلمانوں کو ڈال کر بری طرح جھنجھوڑ دیا گیا۔ جن لوگوں کے اندر نفاق کے جراثیم تھے وہ کھل کر سامنے آگئے اور مسلمان اپنے اندر کی کمزوریوں سے واقف ہو گئے۔ آزمائش کی شدت کا تذکرہ خود قرآن مجید نے ان الفاظ میں کیا ہے:

اذ جاء و کم من فوقکم ومن اسفل منکم واذ زاغت الابصار وبلغت القلوب الحناجر وتظنون باللہ الظنونا ھنالک ابتلی المومنون وزلزلوا زلزالا شدیدا۔ (احزاب ۱۰ - ۱۱)

"یاد کرو جب کہ وہ تم پر آ چڑھے، تمہارے اوپر کی طرف سے بھی اور تمہارے نیچے کی طرف سے بھی، اور جب کہ نگاہیں کج ہو گئیں اور کلیجے منہ کو آنے لگے اور تم اللہ کے باب میں طرح طرح کے گمان

کرنے لگے۔ اس وقت اہل ایمان امتحان میں ڈالے گئے اور بالکل ہلا دیئے گئے"۔

لشکروں کی آمد جس قدر زبردست تھی مدینہ کا دفاع اتنا ہی مضبوط تھا۔ دشمن کا جو دستہ اقدام کرتا خندق پر آکر رک جاتا کیونکہ اس کی چوڑائی اور گہرائی ناقابل عبور تھی۔ عرب جنگ باز دست بدست جنگوں کے ماہر تھے۔ مقابل فوجوں کو گھیرے میں لینا، ان کے خلاف چالیں چلنا اور داد شجاعت دینا ان کو خوب آتا تھا لیکن یہاں جس صورت حال سے ان کو سابقہ پیش آیا وہ ان کے خواب و خیال میں بھی نہ تھی۔ خندق کی رکاوٹ ایسی تھی جس کا توڑ ان کے پاس نہ تھا۔ جن لوگوں نے گھوڑوں کو کدا کر اس کو عبور کرنے کا حوصلہ کیا وہ اس کے اندر گر کر ڈھیر ہو گئے۔ اگر کوئی جتھا اس کو پاٹنے کی غرض سے قریب ہوتا تو مسلمان اس کو تیروں کی باڑھ پر رکھ لیتے۔ لہٰذا عملاً جنگ کی صورت یہی تھی کہ احزاب کے لشکر خندق کے پار وسیع میدان میں ڈیرے ڈالے ہوئے تھے۔ فریقین ایک دوسرے پر تیر اندازی کرتے رہتے جس سے اکا دکا اموات ہو جاتیں لیکن بڑے حملہ کی کوئی صورت دشمن کے لئے ممکن نہ تھی۔

محاصرہ کے ابتدائی دنوں میں بنو قریظہ مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ کے سبب سے جنگ سے کنارہ کش رہے۔ مسلمانوں کو ان کی جانب سے کسی حملہ کا اندیشہ نہیں تھا۔ اس لیئے ان کی ساری توجہ محاذ جنگ پر مرکوز تھی۔ اس صورت حال میں حیی بن اخطب نے مسلمانوں کی قوت کو تقسیم کرنے کی غرض سے یہ چال چلی کہ بنو قریظہ کو عہد شکنی پر آمادہ کیا۔ وہ قرظی سردار کعب بن اسد کے پاس گیا اور کہا کہ میں قریش اور غطفان کی پوری قوت مدینہ پر چڑھا لایا ہوں۔ تم ہتھیاروں کا بڑا ذخیرہ رکھتے ہو۔ تم بھی معرکہ میں شریک ہو جاؤ تو محمد سے پیچھا چھڑانا ممکن ہو جائے گا۔ کعب نے کہا۔ تم جو گھٹا چڑھا لائے ہو اس کا پانی نچڑ چکا ہے اگرچہ اس میں بجلی کی چمک اور گھن گرج ابھی باقی ہے۔ حیی نے اس کو احساس دلایا کہ تمام عرب قبائل روز روز اکٹھے نہیں ہوں گے اس لئے اسلام کی بیخ کنی کا اس سے بہتر کوئی موقع نہیں ملے گا۔ اگر بنو قریظہ متحرک نہ ہوئے تو ان پر مسلمانوں کا اقتدار ہمیشہ کے لئے مسلط ہو جائے گا اور وہ پھر کبھی ان سے جان نہیں چھڑا سکیں گے۔ حیی نے یہ پیشکش بھی کی کہ اگر احزاب کو شکست ہوئی تو وہ انہی کے قلعہ میں قیام کرے گا اور اپنا مستقبل ان کے ساتھ وابستہ کرلے گا۔ اس طرح کی باتوں سے حیی بنو قریظہ کو احزاب میں شامل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بنو قریظہ کی اس بد عہدی کی خبر ہوئی تو آپ نے انصار کے چند سرداروں کو تحقیق کے لئے ان کی بستی میں بھیجا۔ انہوں نے آکر اس خبر کی تصدیق کر دی تو آپ نے مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تمہیں خوشخبری ہو۔ آپ کا ارشاد اس بات کی طرف تھا کہ یہود کے واحد باقی ماندہ قبیلے نے بد عہدی کر کے از خود اس بات کے اسباب فراہم کر دیئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے وجود سے مدینہ کی سرزمین کو پاک کر دے۔ بنو قریظہ کے نقض عہد کا فوری نقصان یہ ہوا کہ لشکر اسلام کو اب اپنی

پشت کی جانب بھی بھرپور دفاع کا اہتمام کرنا پڑا۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارثہؓ کی قیادت میں تین سو صحابہ کا ایک دستہ مدینہ کے جنوب میں تعینات کر دیا۔

اس نئی صورت حال نے ضعیف الایمان مسلمانوں کے اندر بڑا اضطراب پیدا کیا۔ انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ اللہ اور رسول نے ہم سے جو وعدے کئے تھے وہ محض سراب تھے۔ ہم روز بروز بد سے بدتر پوزیشن کی طرف جا رہے ہیں۔ بعض شریر لوگوں نے یہ پروپیگنڈا شروع کر دیا کہ ہمیں بشارتیں تو روم و فارس پر قبضہ کی سنائی جا رہی تھیں اور حالت یہ ہے کہ قضائے حاجت کے لئے نکلنا دشوار ہو رہا ہے۔ مدینہ کے مضافات سے تعلق رکھنے والے منافقین نے مسلمانوں کا مورال گرانے کے لئے یہ کہنا شروع کیا کہ اہل یثرب عرب کی اس دل بادل فوج کے مقابل میں نہیں ٹک سکیں گے لہذا یہ محاذ آرائی بالکل بے سود ہے۔ بہتری اسی میں ہے کہ جنگ کا خیال دل سے نکال کر دشمن سے معاملہ کرنے کی فکر کریں۔ بعض منافقین یہ شوشہ لے کر اٹھ کھڑے ہوتے کہ نئی صورت حال میں ہمارے گھر غیر محفوظ ہو گئے ہیں۔ ہمیں ان کی حفاظت کا سامان کرنا ہے۔ وہ یہی بہانہ پیش کر کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محاذ جنگ چھوڑنے کی اجازت طلب کرتے حالانکہ شروع ہی میں آنحضرتؐ نے مسلمانوں سے خصوصی عہد لیا تھا کہ وہ میدان جنگ کو نہیں چھوڑیں گے۔ لیکن یہ لوگ عذرات تراشنے کے بڑے ماہر تھے۔

منافقین کا ایک گروہ اس بات کے لئے بھی کوشاں رہا کہ وہ جنگ میں عملی حصہ نہ لے اور اپنی اس بیماری کو دوسرے مسلمانوں تک بھی متعدی کر دے۔ ساڑھے تین میل لمبی دفاعی لائن پر ہر جگہ جنگ کی گرم بازاری یکساں نہیں تھی۔ کام چور لوگوں کے لئے ممکن تھا کہ وہ اپنی کمین گاہوں میں پڑے آرام کرتے رہیں۔ چنانچہ یہ منافقین مستعد مسلمانوں کو دعوت دیتے کہ وہ ان کے محاذ پر آ جائیں اور خطرات سے محفوظ رہیں۔ یہ منافقین بڑے چرب زبان تھے۔ جب موقع ملتا تو لوگوں کے سامنے اپنی مفروضہ جانبازیوں کا خوب خوب چرچا کرتے اور ان کو اپنی جانب متوجہ کر لیتے۔ لیکن حقیقت میں یہ اسلام سے کینہ رکھنے والے تھے۔

روایات میں آتا ہے کہ محاصرہ کی شدت کے دوران میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو غطفان سے یہ معاملہ کرنے کا فیصلہ کر لیا کہ وہ مدینہ کی کھجوروں کی پیداوار کا ایک تہائی لے لیں اور متحدہ محاذ سے الگ ہو کر محاصرہ اٹھا لیں۔ آپ نے اس معاہدہ کی ایک تحریر بھی لکھوا لی لیکن انصار نے اس تجویز کو نہ مانا۔ ہمارے نزدیک یہ روایت محل نظر ہے کیونکہ اس سے یہ تاثر ملتا ہے کہ صحابہ کرام تو بڑے حوصلہ سے صورت حال کا مقابلہ کر رہے تھے لیکن نعوذ باللہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمت جواب دے رہی تھی کہ آپ نے یہ تدبیر اختیار کر کے جنگ سے جان چھڑانی چاہی۔ روایات میں بھی یہ کارروائی بالکل یکطرفہ سی نظر آتی ہے۔ اتنے بڑے اقدام سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی ساتھی سے مشورہ لینا یا جماعت کے

اکابر کو اعتماد میں لینا ثابت نہیں جو آنحضرتؐ کے طریق کار سے بالکل ہٹ کر ہے۔ غطفان کے ساتھ اس سلسلے میں مذاکرات بھی کہیں نظر نہیں آتے اور بظاہر نہ ایسے مذاکرات کا وہاں امکان تھا۔ فوجوں کے سمندر میں کسی ایسی کارروائی کا راز فوراً فاش نہ ہو جاتا۔ اصل واقعہ یہ ہو سکتا ہے کہ آنحضرتؐ نے انصار کا حوصلہ جانچنے کے لئے یہ تدبیر کی ہو۔ ایسا آپ اکثر کرتے تھے۔ اس کی مثالیں غزوہ بدر اور غزوہ احد کے واقعات میں موجود ہیں۔ غزوہ احزاب کے آخری دنوں میں جب جنگ میں شدت آ گئی تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے محض امتحان کے لئے انصار کے سرداروں کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ غطفان کو جنگ سے علیحدہ کرنے کی تدبیر کی جائے اور ان کو مدینہ کی کھجوروں کی پیداوار کا ایک تہائی حصہ اس علیحدگی کے عوض ادا کر دیا جائے۔ اس پر سعد بن معاذؓ نے دریافت کیا یا رسول اللہ آپ یہ بات وحی الٰہی کی روشنی میں فرما رہے ہیں یا اپنے رائے سے۔ آنحضرتؐ نے جواب دیا، میں محسوس کرتا ہوں کہ کفار عرب مجتمع ہو کر انصار پر پل پڑے ہیں، تو انصار کے تحفظ کی خاطر میں اپنی رائے سے یہ تجویز دے رہا ہوں۔ سعدؓ نے عرض کی، یا رسول اللہ غطفان کو ہم نے اس طرح کی شرائط پر اپنے باغوں کی ایک کھجور بھی ان وقتوں میں نہیں کھانے دی جب ہم کافر تھے، وہ اسے خرید کر یا بطور مہمان ہی کھا سکتے تھے۔ اب اللہ تعالیٰ نے ہماری عزت افزائی فرمائی ہے، اسلام کی طرف ہماری رہنمائی کی ہے، ہم نے آپ کے باعث شہرت پائی ہے، تو ہم اب اپنی املاک غطفان کے حوالہ کرنا کیوں گوارا کریں گے۔ اس گفتگو سے آنحضرتؐ کو اطمینان ہو گیا کہ انصار جنگ کی سختیوں سے گھبرائے نہیں اور وہ ثابت قدم رہیں گے۔

وقت گزرنے کے ساتھ محاصرہ کی طوالت اور بے مقصدیت سے کفار تنگ آ گئے۔ ان کے کئی جرنیلوں نے خندق کے کمزور حصوں پر انفرادی حملے ترتیب دیئے لیکن ان میں کامیابی نہ ہوئی۔ بنو قریظہ کی جانب سے شہر کی آبادی کو بھی دہشت زدہ کرنے کی کوشش کی گئی لیکن آنحضرتؐ پہلے ہی اس طرف کے دفاع کو مضبوط بنا چکے تھے لہذا یہود کو ناکامی ہوئی۔ کفار کی جانب سے رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھا کر خندق کے کسی حصہ کو پاٹنے کی تدبیر ہوئی لیکن مسلمانوں کا پہرہ سخت تھا۔ بالآخر کفار نے یکبارگی بہت بڑی قوت کے ساتھ حملہ کرنے کا سامان کیا۔ اس میں ان کا ایک گروہ خندق کو عبور کرنے میں کامیاب بھی ہوا لیکن اس سے بھی وہ مقصد حاصل نہ ہوا جس کے لئے یہ حملہ کیا گیا تھا۔ اثنا ان کے بعض جوانمرد مارے گئے۔

اہل ایمان کا اپنے اندرونی دشمنوں اور بیرونی حملہ آوروں سے یہ مقابلہ تین ہفتے سے زیادہ عرصہ جاری رہا اور انہوں نے عزیمت و استقامت کا حق ادا کر دیا۔ اس جہاد میں اللہ کے کتنے وفادار بندوں نے اپنی جانیں قربان کر دیں اور دوسرے اس انتظار میں رہے کہ کب موقع ملے اور وہ بھی یہ سرفرازی پائیں۔ انصار کے قبیلہ اوس کے سردار سعد بن معاذؓ کو بازو میں تیر لگا جس سے ان کی شریان پھٹ گئی

اور ان کو علاج کی غرض سے مسجد نبوی میں منتقل کر دیا گیا۔ جنگ کی شدت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر برابر یہ دعا رہی اللھم منزل الکتاب سریع الحساب اھزم الاحزاب اللھم اھزمھم وزلزلھم (اے اللہ، قرآن نازل کرنے والے، جلد حساب چکانے والے، احزاب کو شکست سے دوچار کر۔ اے اللہ، ان کو شکست دے اور ان کو ڈگمگا دے) یہ دعا قبول ہوئی اور خداوند تعالیٰ کی اسی نصرت کا اظہار ہوا جس کا وعدہ اس نے اہل ایمان سے کر رکھا ہے اور جس کا اظہار سابقہ جنگوں میں ہو چکا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے غیر مرئی لشکر حرکت میں آئے اور کفار کو ذلت سے دوچار کر دیا۔ یہ موسم سردی کا تھا۔ کھلے میدان میں کفار کا ٹھیرنا پہلے ہی کچھ آسان نہ تھا۔ اب ان کے اوپر باد صرصر چلی جس میں شدت کی سردی تھی۔ ہوا کی تیزی کا یہ عالم تھا کہ کفار کے خیمے اور شامیانے اکھڑ گئے۔ آگ جلانا اور کھانا تیار کرنا ناممکن ہو گیا، جانور تتر بتر ہو کر بھاگنے لگے۔ یہ آندھی کفار پر ایسا عذاب بن کر مسلط ہوئی کہ انہوں نے محاصرہ چھوڑ کر بھاگنے ہی میں عافیت سمجھی۔ اس طرح قریش، غطفان، یہود اور مشرکین عرب کی یہ مشترکہ سکیم اللہ تعالیٰ کی افواج قاہرہ کے سامنے ناکام ہو گئی۔ مشرکین نے کچھ ایسی بدحواسی میں راتوں رات محاصرہ اٹھایا کہ مسلمانوں کو یقین نہیں آتا تھا کہ دشمن جا چکا ہے۔ منافقین نے تو باقاعدہ یہ پروپیگنڈا کیا کہ فوجیں واپس نہیں ہوئیں بلکہ کہیں اڑوس پڑوس میں کسی نئی منصوبہ بندی میں مصروف ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حذیفہؓ کے ہمراہ آدمی بھیج کر یہ تسلی کر لی کہ احزاب بے نیل مرام اپنے گھروں کو لوٹ چکے ہیں۔

اس جنگ کے لئے قریش نے یہود کی بھرپور مدد سے جو قوت فراہم کی تھی اور بکثرت قبائل کا تعاون حاصل کر لیا تھا اس سے ان کی توقع یہ تھی کہ وہ مدینہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل ایمان کے لئے کہیں پناہ لینا مشکل ہو جائے گا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی اس شاندار اسکیم کو بالکل بے مصرف اور بے نتیجہ بنا دیا۔ اس نے ان کے عزائم کو خاک میں ملا دیا اور ان کے حوصلہ پر کاری ضرب لگائی۔ ظاہر ہے کہ روز روز اتنے بڑے پیمانے پر قبائل یکجا نہیں ہوا کرتے اس لئے بجا طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ معرکہ کفار کی جانب سے اسلام کی مخالفت کا آخری نقطہ تھا اور اس عمل کو دہرانا ممکن نہ تھا۔ اسی لئے جنگ کے خاتمہ پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو یہ خوشخبری سنائی کہ الآن نغزوھم ولا یغزوننا نحن نسیر الیھم (اب ہم ان کے ساتھ لڑیں گے، وہ ہمارے ساتھ نہیں لڑیں گے، ہمیں ان کی طرف اقدام کرنا ہو گا) یہ اشارہ تھا اس بات کی طرف کہ قریش از خود کسی جنگی کارروائی سے گریز کریں گے۔ جو کارروائی ہو گی وہ ہم اپنی مصلحت کے تحت خود کریں گے۔

یہودی سردار حیی بن اخطب بھی اس حقیقت سے آگاہ تھا چنانچہ قرظی سردار کعب بن اسد کو نقض عہد پر آمادہ کرنے میں اس نے اسی دلیل سے کام لیا تھا کہ روز روز اتنی قوت فراہم نہ ہو سکے گی اور اگر ہماری یہ مہم ناکام ہوئی تو تم ہمیشہ کے لئے محمد کے آگے سرنگوں رہو گے۔

اکابر صحابہ جن کی نظر حالات و واقعات پر تھی، وہ بھی جنگ خندق کو کفر کی آخری جدوجہد قرار دیتے تھے۔ چنانچہ حضرت سعد بن معاذؓ کا زخم مندمل ہونے میں جب تاخیر ہوئی تو انہوں نے ان الفاظ میں دعا کی

"اے اللہ، تو جانتا ہے کہ مجھے کوئی چیز اس سے زیادہ محبوب نہیں کہ میں تیری راہ میں اس قوم سے جہاد کروں جس نے تیرے رسول کو جھٹلایا اور اس کو وطن سے نکالا۔ اے اللہ، میرا گمان ہے کہ اب تو نے ہمارے اور ان کے درمیان جنگ کا کوئی موقع باقی نہیں چھوڑا۔ اگر کچھ جنگ باقی ہے تو اس کے لئے مجھے زندہ رکھ تاکہ میں تیری راہ میں جہاد کروں۔ اور اگر جنگ ختم ہو چکی ہے تو میرے زخم سے خون جاری کر دے اور اسی میں میری موت مقدر فرما۔" (صحیح بخاری)

روایات میں آتا ہے کہ کچھ دنوں کے بعد سعدؓ کا زخم جس پر کھرنڈ آ چکا تھا پھر سے ہرا ہو گیا اور اس میں سے اتنا خون بہا کہ ان کا انتقال ہو گیا۔

غزوہ بنی قریظہ

بنو قریظہ مسلمانوں کے ساتھ جس معاہدہ میں شریک تھے اس کے مطابق ان پر مدینہ کا دفاع واجب تھا۔ وہ اس بات کے پابند تھے کہ بیرونی حملہ آوروں کا ساتھ نہ دیں اور مسلمانوں کے ساتھ پر امن رہیں۔ جنگ خندق کے دوران انہوں نے معاہدہ توڑ کر مسلمانوں کو شدید خطرے سے دوچار کر دیا۔ انہوں نے نہ صرف حملہ آوروں کی مدد کی بلکہ خود بھی دہشت گردی کی کوشش کی۔ انصار کا جو وفد ان کے پاس بھیجا گیا تھا اس کے ساتھ ان کا سلوک نہایت تحقیر آمیز تھا۔ جب احزاب محاصرہ اٹھا کر واپس چلے تو بنو قریظہ کی آنکھیں کھلیں۔ اب انہیں بنو نضیر کا انجام یاد آیا۔ انہوں نے منافقین سے رابطہ کر کے ان کو اپنی مدد کے لئے پکارا۔ عبداللہ بن ابی نے ان کو تسلی دی کہ آپ لوگ اطمینان رکھیں، ہم تمہارے ساتھ وہ معاملہ نہیں ہونے دیں گے جو بنو نضیر کے ساتھ ہوا۔ اگر آپ لوگوں کو یہاں سے نکالنے کی کوشش کی گئی تو ہم بھی آپ کے ساتھ نکل جانا گوارا کر لیں گے لیکن آپ لوگوں کے معاملہ میں کسی کے حکم یا مشورہ کی ہرگز کوئی پروا نہیں کریں گے۔ اگر تمہارے ساتھ جنگ کی گئی تو ہم تمہارے طرفدار ہوں گے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبل اس کے کہ بنو قریظہ اپنے تحفظ کے لئے کہیں سے کمک حاصل کر سکیں جنگ خندق سے فارغ ہوتے ہی ان کی بستی کا محاصرہ کر لیا۔ یہود کا منصوبہ ساز اور سازشی لیڈر حیی بن اخطب بنو قریظہ کے ہاں مقیم تھا اس لئے وہ بھی کسی دوڑ دھوپ کے لئے آزاد نہ تھا۔ محاصرہ جوں جوں طویل ہوتا گیا اور کہیں سے مدد ملنے کی راہیں مسدود ہو گئیں تو بنو قریظہ کے ہاتھ پاؤں پھول

گئے۔ دہشت زدہ ہو کر وہ لگے تدبیریں سوچنے کہ اس مخمصے میں سے کیسے نکلیں۔ ان کے سردار کعب بن اسد نے تجاویز پیش کیں کہ وہ اسلام قبول کر لیں یا اپنی عورتوں اور بچوں کو اپنے ہاتھوں قتل کر کے ایک فیصلہ کن جنگ لڑیں یا پھر ہتھیار ڈال دیں لیکن یہود ان میں سے کوئی تجویز ماننے پر آمادہ نہ ہوئے۔

جب محاصرہ کی مدت پچیس دن تک طول پکڑ گئی تو یہود کی ہمت جواب دے گئی۔ اب وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست گزار ہوئے کہ ان کے ساتھ مہربانی کا معاملہ کیا جائے۔ قبیلہ اوس نے جو ان کا حلیف قبیلہ تھا، ان کے حق میں سفارش کی اور آنحضرتؐ سے درخواست کی کہ جس طرح بنو قینقاع کے حق میں خزرج کے سردار عبداللہ بن ابی کی سفارش مان لی گئی تھی اسی طرح بنو قریظہ کے حق میں اوس کی بات مانی جائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس درخواست کو قبول فرماتے ہوئے اوس کے سردار سعد بن معاذ کی رائے لینے اور اس کے مطابق فیصلہ کرنے کا اعلان کیا۔ بنو قریظہ نے اس تجویز سے اتفاق کیا۔ سعد بن معاذؓ کو جو مدینہ میں زیر علاج تھے موقع جنگ پر لایا گیا۔ سفر کے دوران اہل قبیلہ نے ان سے سفارش کی کہ اپنے حلیفوں کے ساتھ احسان کا معاملہ کرنا۔ وہ خاموش رہے۔ جب لوگوں کا اصرار بڑھا تو فرمایا کہ اب سعد کے لئے وقت آگیا ہے کہ وہ اللہ کے معاملہ میں کسی کی ملامت سے نہ ڈرے۔ موقع پر پہنچ کر انہوں نے بنو قریظہ سے پوچھا کہ کیا وہ ان کے فیصلہ کو تسلیم کریں گے۔ انہوں نے اثبات میں جواب دیا۔ پھر انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا میرے فیصلہ کو فی الواقع عملی جامہ پہنایا جائے گا۔ آپ نے بھی اثبات میں جواب دیا۔ اس پر سعدؓ نے یہ فیصلہ دیا کہ بنو قریظہ کی عہد شکنی اور رسول اللہ کے ساتھ جنگ کی پاداش میں قبیلہ کے تمام مردوں کو قتل اور عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیا جائے اور ان کی املاک پر قبضہ کر لیا جائے۔ چنانچہ اسی فیصلہ کو نافذ کیا گیا۔

اس فیصلہ پر تبصرہ کرتے ہوئے آنحضرتؐ نے فرمایا کہ سعد، تم نے سات آسمان اوپر خداوند کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا ہے۔ اصل میں یہ فیصلہ یہود کی شریعت کے عین مطابق تھا۔ تورات میں ہے

> "جب تو کسی شہر سے جنگ کرنے کو اس کے نزدیک پہنچے تو پہلے اسے صلح کا پیغام دینا۔۔۔ اگر وہ تجھ سے صلح نہ کرے بلکہ تجھ سے لڑنا چاہے تو تو اس کا محاصرہ کرنا اور جب خداوند تیرا خدا اسے تیرے قبضہ میں کر دے تو وہاں کے ہر مرد کو تلوار سے قتل کر ڈالنا لیکن عورتوں اور بال بچوں اور چوپایوں اور اس شہر کے سب مال اور لوٹ کو اپنے لئے رکھ لینا۔"
>
> (استثناء ۲۰: ۱۰ - ۱۴)

اس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ پیشگوئی پوری ہو گئی جو آپ نے بنو قریظہ کی عہد شکنی پر کی تھی اور اللہ تعالیٰ نے مدینہ کی سرزمین کو مار آستین بنے ہوئے یہود سے پاک کر دیا۔

تالیفات امام حمید الدین فراہیؒ

		پیسے روپے
1 ۔	مجموعہ تفاسیر فراہی	176-00
2 ۔	حکمت قرآن	00-00
3 ۔	اقسام القرآن	00-00
4 ۔	ذبیح کون ہے	00-00

تالیفات مولانا امین احسن اصلاحی

1 ۔	تدبر قرآن : (۹ جلد)	1584-00
	: (فی جلد)	176-00
2 ۔	مبادی تدبر قرآن	63-00
3 ۔	مبادی تدبر حدیث	54-00
4 ۔	حقیقت شرک و توحید	78-00
5 ۔	حقیقت نماز	33-00
6 ۔	حقیقت تقویٰ	33-00
7 ۔	تزکیہ نفس : جلد اول (شائع کردہ مکتب سنز)	60-00
	: جلد دوم	63-00
8 ۔	دعوت دین اور اس کا طریق کار	66-00
9 ۔	اسلامی قانون کی تدوین	42-00
10 ۔	اسلامی ریاست	00-00
11 ۔	اسلامی ریاست میں فقہی اختلافات کا حل	42-00
12 ۔	اسلامی معاشرہ میں عورت کا مقام	63-00
13 ۔	قرآن میں پردے کے احکام	8-00
14 ۔	فلسفے کے بنیادی مسائل قرآن حکیم کی روشنی میں	66-00
15 ۔	تفہیم دین	54-00
16 ۔	مقالات اصلاحی : جلد اول	87-00
	: جلد دوم	00-00
	: جلد سوم	00-00

فاران فاؤنڈیشن

122 - فیروز پور روڈ، لاہور 54600 ، پاکستان فون [illegible]